وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ (آل عمران: ۱۰۳)

تعلیم و تعلم سے متعلق

اکابر علماء دیوبند کے نظریات

نیز

بھوپال اجتماع میں مولانا سعد صاحب کے علماء کی مجلس میں ہونے والے بیان کا جائزہ

از

مولانا محمد مطیع الرحمٰن

مہتمم مدرسہ عبیدیہ ٹرسٹ جہاں نما،
حیدرآباد (تلنگانہ) انڈیا

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ (آل عمران: ۱۰۳)

تعلیم و تعلم سے متعلق

اکابر علماء دیوبند کے نظریات

نیز

بھوپال اجتماع میں مولانا سعد صاحب کے علماء کی مجلس میں ہونے والے بیان کا جائزہ

از مولانا مطیع الرحمن

مہتمم مدرسہ عبیدیہ ٹرسٹ جہاں نما، حیدر آباد (تلنگانہ) انڈیا

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ علی رسولہ الکریم، أما بعد!

اللہ تعالی نے اس زمانے میں امت مسلمہ کے دین وایمان کی حفاظت اور ترقی کے لیے مدارس اسلامیہ اور دعوت وتبلیغ کی محنت کو ذریعے کے طور پر قبول فرمایا ہے اور مدارس کے ذریعے سے تبلیغ کا اور تبلیغ کے ذریعے سے مدارس کا جو نفع ہو رہا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں اور ان دونوں کا آپسی تعاون کتنا ضروری ہے اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا البتہ اگر کسی ایسے شخص کی کوئی بات جو امت کے ایک بڑے طبقے میں مقتدیٰ کی حیثیت رکھتا ہو کسی دوسرے شخص کی نگاہ میں قابلِ تشویش ہوتی ہے تو اس پر اس کا تڑپ جانا اور بے چین ہو جانا اور اظہار تشویش کرنا یہ اس کے ایمان کا تقاضا اور اس کے ورع اور تقوی کی بیّن دلیل ہے، یہ قابل تنقید نہیں قابل تعریف ہے اور موجبِ وزر نہیں موجب اجر ہے، یہ امت میں انتشار پھیلانا نہیں بلکہ "وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ" کی زندہ تفسیر ہے۔

اسی سلسلے میں حضرت مولانا سعد صاحب کے ایک بیان سے جب حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی کو تشویش لاحق ہوئی اور ان کو ایسا محسوس ہوا کہ اس بیان سے امت کا ایک بڑا طبقہ علماء اور مدارس سے بیزار ہو سکتا ہے تو یہ ان کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس پر اظہارِ تشویش کریں؛ کیوں کہ وہ دنیا کے اہم ترین ادارہ کے اہم ترین ذمہ دار ہیں، انہوں نے اس ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے دورانِ درس جو بات فرمائی اس کو اسی پس منظر میں لینا چاہیے نہ کہ اس پر نامناسب تبصرے کیے جائیں، دوسری طرف حضرت مولانا سعد صاحب کے نظریات کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے، بعض مرتبہ کسی شخص کو امت کے دینی اور ایمانی نفع کے اعتبار سے کوئی کام بہت ضروری محسوس ہوتا ہے اور اس کو زندہ کرنے میں اور رائج کرنے

میں پورے غلبۂ حال کے ساتھ مشغول ہوتا ہے اور یہ بات اہل تحقیق کے یہاں مسلّم ہے کہ کوئی کام بغیر غلبۂ حال کے ہوتا نہیں اسی سعی و کوشش میں بعض مرتبہ تعبیرات میں کچھ اس طرح کی شدت پیدا ہو جاتی ہے جو بعض ان لوگوں کے لیے قابل اشکال بن جاتی ہے جو اس بیان کرنے والے کی شخصیت سے پورے طور پر واقف نہیں ہوتے اور اس کی زندگی کو قریب سے دیکھے ہوئے نہیں ہوتے آخر کوئی تو بات ہے کہ معتبر ترین اداروں سے فارغ ہونے والے ہزاروں فضلاء جن کے سامنے مولانا کے لیل و نہار ہیں وہ پورے انشراح کے ساتھ مولانا ہی کی زیر قیادت اس کام میں مشغول ہیں۔

اب ہم آپ کے سامنے تعلیم و تعلم سے متعلق مولانا سعد صاحب اور دیگر علماء کرام کے نظریات ترتیب وار پیش کرتے ہیں۔

① طلبۂ علم سے متعلق نظریہ

حضرت مولانا سعد صاحب کا طلبۂ علم کے سلسلے میں جو نظریہ ہے اس کو پیش کرنے سے پہلے ہم یہاں بعض اکابر کی کچھ عبارتیں پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں:

① مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دینی دعوت ص:۲۹ پر تحریر فرماتے ہیں:

> ’’صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں یہ چار چیزیں عموماً جمع رہتی تھیں: تعلیم، ذکر، تبلیغ و خدمت دین، معاش‘‘۔

نیز مدارس اسلامیہ اہمیت و ضرورت و مقاصد صفحہ:۶۱ پر تحریر فرماتے ہیں:

> ’’ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) میں ایک جماعت ایسی تھی جو با قاعدہ طالب علم یا عالم کہلاتی تھی وہ دن کو مزدوری یا تجارت کرتے تھے اور رات کو پڑھتے تھے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جن کو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانے میں ’’قراء‘‘ (طالب علم یا عالم کے نام سے پکارتے تھے) وہ تعداد میں ستر تھے، رات کو وہ

مدینہ میں اپنے استاد کے پاس جاتے اور صبح تک پڑھتے رہتے، صبح کو ان میں جو طاقتور ہوتے وہ میٹھا پانی بھر کر لاتے اور مزدوری کرتے، یا لکڑی کاٹ کر لاتے اور فروخت کرتے، جن کو گنجائش ہوتی وہ جمع ہو کر بکری خرید لیتے، اس کو بناتے اور وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حجروں کے پاس لٹکی رہتی۔اھ

اس زمانے کے تعلیمی نقشے کو بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: مدینہ منورہ کی پوری مسلمان نو آبادی ایک غیر اصطلاحی مدرسہ میں تبدیل ہو گئی، جس کا ہر فرد یا تو طالب علم تھا یا معلم اور بعض اوقات ایک ہی شخص اپنے لیے طالب علم تھا اور دوسرے کم جاننے والوں کے لیے معلم۔ دنیا کی تعلیمی تاریخ میں بغیر کسی مادی اہتمام وصرف اور بغیر کسی جبر وتشدد کے پوری آبادی کے مدرسہ کی زندگی میں منتقل ہو جانے کی یہ ایک شاذ مثال تھی، جس کی نظیر شاید نہ مل سکے۔ اس وقت کا کوئی کاشتکار، تاجر، مزدور، باغ و جائداد کا مالک، ملازم، غلام، مرد اور عورت تعلیم سے مستثنی نہ تھا، وہ دن اور رات کے کسی نہ کسی حصہ میں ضرور تعلیم حاصل کرتا تھا''۔ (مدارس اسلامیہ - اہمیت وضرورت ومقاصد صفحہ - ۶۱)

(۲) نیز علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں مسجد نبوی کے چبوترے پر اصحاب صفہ کا حلقہ تھا جن کا کہیں گھر نہ تھا، گزر بسر کی صورت یہ تھی کہ یہ لوگ دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ لاتے اور بازار میں بیچتے اور رات کو کسی معلم کے پاس دین کا علم سیکھتے اور ضرورت کے وقت مختلف مقاموں میں بھی مبلغ بنا کر بھیجے جاتے، ضروری مشاغل کے علاوہ دین کی تعلیم اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے فیضیابی

اور عبادت میں انہماک ان کے کام تھے۔ (مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت، صفحہ: ۲۴)

③ نیز اصحاب صفہ کے بارے میں جو یہ عام خیال ہو گیا ہے کہ وہ ہمیشہ دوسروں کے ہی رحم وکرم پر رہتے تھے اس سلسلے میں قاضی اطہر مبارکپوری کی یہ بات قابل توجہ ہے کہ ''اصحاب صفہ خود بھی اپنے خورد ونوش کا انتظام کرتے تھے اور اپنے بھائیوں پر بار بننا نہیں چاہتے تھے''۔ (خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم وتربیت ص: ۹۲)

④ نیز حضرت مولانا یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''مدینہ منورہ ایسی بستی بن گئی کہ جتنے مقامی لوگ تھے اتنے ہی باہر کے آ کر بس گئے ان میں بہت سے تو ایسے آئے کہ جن کے گھر میں کچھ تھا ہی نہیں۔ گویا فقیر آ کر سر پڑ گئے اور بہت سے وہ آئے جن کی کمائیاں ہوتی تھیں ان کی کمائیاں چھوٹ گئیں اور یہاں فقیر بن گئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان فقیروں اور مدینہ منورہ والوں کو ساتھ لے کر محنت کی۔ ان باہر سے آنے والے فقیر لوگوں کو کمائی سے روکا نہیں بلکہ تجارت میں لگایا لیکن جب تک ان کی کمائی کی شکلیں وجود میں آئیں اس وقت تک مقامیوں سے ان کی سب ضروریات پوری کرائیں ان کو کھانا، کپڑا وغیرہ سب کچھ دلوایا''۔

آگے یہ بھی فرماتے ہیں:

''اسلام کے لئے اور دوسروں کو اسلام سکھانے کیلئے وقت اور علم کی ضرورت ہے اس لئے مدینہ میں اقامت کے زمانہ میں ان کے اوقات مسجد کیلئے لگے، لہٰذا انہوں نے روزانہ کی زندگی ایسی بنائی کہ اگر دو آدمیوں نے تجارت شروع کی، جیسے حضرت عمر اور ایک انصاری رضی اللہ عنہما نے تجارت شروع کی تو پابندی لگائی کہ ایک دن

ایک کام کرے اور دوسرا دین کی محنت کیلئے مسجد میں وقت لگائے دن کا کچھ حصہ مسجد میں، کچھ کمائی میں، کوئی کچھ صبح کا وقت دیتا ہے پھر کماتا ہے، کوئی تھوڑا کر جاتا ہے، کوئی صبح کا دیتا ہے، کوئی ظہر کا، کوئی عصر اور مغرب کے درمیان کوئی مغرب اور عشاء کے درمیان کا کوئی عشاء کے بعد تہجد پڑھتا ہے اور کوئی عشاء کے بعد سوتا ہے اور رات میں تہجد پڑھتا ہے تو چوبیس گھنٹے مسجد میں مقامی آدمی موجود ہیں''۔ (مجموعہ بیانات حضرت جی، ص: ۷۱-۷۲)

نیز فرمایا:

''جب اپنے نقشۂ زندگی میں سے ہر شخص نے وقت نکالا، مساجد کی تعلیم و تربیت میں بھی اپنی اپنی جانوں سے لگنے کا معیار قائم کیا، بیرونی نقل و حرکت میں بھی ہر شخص نے اپنی اپنی جان اور مال سے حصہ لیا تو کلمہ والا یقین ایک حقیقت بن کر دلوں میں پیوست ہو گیا اور زندگی کے سارے شعبے ان اعمال سے آراستہ ہوئے جن پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان شعبوں والوں اور دوسروں کی کامیابی کا انحصار بتلایا تھا اور ان کی خلاف ورزی میں زندگی کے بگڑنے کی دھمکی دی تھی دنیا کے نقشوں کے اندر لگنے والوں کا نقشوں کے اندر لگنے کا وقت اگر چہ کم ہو گیا اور آمد میں کمی ہوئی بوجہ بیرونی نقل و حرکت کے اور مساجد کے اندر کی، اپنی اور دوسروں کی تعلیم و تربیت کے اور ایک دوسرے کی زندگی کی ضروریات کی خیر خبر لینے کے، اور دنیا کے نقشوں سے محروم انسانوں کی اگر چہ تکالیف کے برداشت کی مقدار بڑھی انہی اعمال کے اشتغال کی وجہ سے مگر قرآنی الفاظ ایمان و اعمال صالحہ زبان کے بول نہیں رہے بلکہ دل

کے یقین کی ایک ایسی حقیقت بن گئے جس کے سامنے کوئی بھی شکل ٹھہر نہیں سکتی تھی اور اعمال محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندگی میں ایسے پیوست ہو گئے کہ زندگی کے ہولناک سے ہولناک مناظر یا خوشنما سے خوشنما مناظر ان اعمال سے روک نہیں سکتے تھے۔ جب تک امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں تعلیم و تربیت کے، دعوت اور نقل و حرکت کے آپ والے طریقے قائم رہے دنیا میں ان کا وجود بڑھتا رہا اور جتنا جتنا کائنات کے نقشوں میں لگنے کی تعداد بڑھتی چلی گئی اور آپ کے والے اعمال دعوت و تربیت زندگیوں میں سے نکلتے چلے گئے یقین کا معیار بھی کلمہ سے ہٹتا چلا گیا اور زندگی کے اعمال بھی کلمے والے طریقے سے ہٹتے چلے گئے یہاں تک کہ ایمان و یقین ایک بول رہ گیا اور اعمال بحث و مباحثہ اور جھگڑے کی بنیادیں بن گئے اور وہ سارے مسائل ان پر آ پڑے جو پچھلی قوموں پر کلمہ کے لفظ کے اقرار کے بعد یقین و عمل کے ضیاع پر آئے تھے''۔ (ص:۱۵۷)

نیز فرمایا:

''صرف بیٹھ کر کھانے کے عادی ہیں، ایک مکان ہو، مدرسہ ہو، مطبخ ہو، زمانہ تعلیم میں ہی مزاج اس قسم کا بن جاتا ہے میوات کے تمام مکاتب میں طلبہ غلہ مانگنے بھی جاتے ہیں، یعنی بھکاری بننے کی مشق کرتے ہیں دوسرے مدارس میں دس سال رہ کر یہ ذہن میں آ گیا کہ سفراء جا کر مانگ کر لاتے ہیں لہذا اب فضائے حاضرہ کے علوم حاصل کرو، کہیں اور جاؤ ورنہ مانگ کر کھانا پڑے گا''۔ (ص:۲۸۹)

نیز فرماتے ہیں:

''واقعی قیمتی انسان بننا چاہتے ہو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب بننا چاہتے

ہوتو جیسے صرف ونحو پر محنت کر رہے ہو ایسے ہی مجاہدہ وریاضت کر کے عمل کا ذوق پیدا کرلو، اپنے پیسے خرچ کرو، دوسروں کا مال کھانے سے علم کے نقوش مل جاتے ہیں لیکن عمل وایمان صرف اپنی جان ومال لگانے سے ہی ملتے ہیں واقعی علم والے بن جانے سے ایک ایک آدمی سے صوبے صوبے بدل سکتے ہیں''۔(مجموعہ بیانات ص:۲۹۱)

۵ طلبہ کے اندر استغناء پیدا کرنا اوران کوفقیر بننے سے بچانا کتنا ضروری ہے اس کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اصلاحی وتجدیدی کاموں کے ذکر کے دوران حضرت مولانا عبدالباری ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس انداز سے تحریر فرماتے ہیں:

''اکثر جگہ جہاں طلبہ کولوگ ذلیل وحقیر سمجھتے ہوں طلبہ کسی کے گھر کھانا لینے نہ جائیں اس میں علم اوراہل علم کی سخت اہانت ہے، نیز ایک اخلاقی خرابی یہ ہے کہ اس عادت کی بدولت دوسروں سے مانگنے میں طبعی انقباض یعنی جھجک نہیں رہتی اور یہی طبعی انقباض حیا کی ایک بڑی فرد ہے جو ذلت کے سوال سے انسان کو روکتی ہے جب یہ نہ رہی تو رکنا طبعاً نہ ہوگا عقلا ہوگا اور غرض ایسی چیز ہے جو عقلی مانع کوجلد رفع کردیتی ہے ایسے وقت طبعی مانع ہی کی ضرورت ہوتی ہے جب وہ نہ رہا تو اس شخص کو جب موقع ہوگا ہاتھ پھیلادے گا، نیز جب دل میں ایسے شخص کی قدرومنزلت نہ رہی تو اس کا وعظ کیا نافع ہوگا۔ اس لئے جو طالب علم کو کھانا دینا چاہے مدارس میں بھیج دے اسی طرح دعوت میں بھی طلبہ کو نہ بھیجا جائے جس کو کھلانا ہو مدرسہ میں لاکر کھلائے اور ہر چند کہ پہلے بزرگوں نے اس کو جائز رکھا تھا لیکن اس وقت کے دنیادار عوام اہل علم کو ذلیل نہ سمجھتے تھے بلکہ ان کے آنے کو اپنے گھر کے لئے موجب برکت سمجھتے تھے، تو یہ

مفسدہ نہ تھا اور خود طلبہ کے کبر کا معالجہ بھی اس میں ہوتا تھا اور اس کی ایک صورت طلبہ کو چندہ کی فراہمی کے لئے بھیجنا ہے اس کے بھی وہی آثار و مفاسد ہیں جو کھانا لینے کے لئے گھروں پر جانے کے ہیں۔ اھ (تجدید تعلیم و تبلیغ ص: ۴۷)

٦ نیز حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں وہی بات لکھی ہے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں مذکور ہے:

وَفِيه أَنَّ الطَّالِبَ لَا يَغْفُلُ عَنِ النَّظَرِ فِي أَمْرِ مَعَاشِهِ لِيَسْتَعِيْنَ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ وَغَيْرِهٖ مَعَ أَخْذِهٖ بِالْحَزْمِ فِي السُّؤَالِ عَمَّا يَفُوْتُهٗ يَوْمَ غَيْبَتِهٖ لِمَا عُلِمَ مِنْ حَالِ عُمَرَ أَنَّهٗ كَانَ يَتَعَانَى التِّجَارَةَ. (فتح الباری، باب التناوب، رقم: ۸۹)

٧ علّامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ تناوب، طلب علم کی شدّت حرص کی دلیل ہے، نیز فرماتے ہیں طالب علم اپنے معاش سے متعلق فکرمند رہے تاکہ اس کے ذریعہ علم پر مدد حاصل کرے۔

وَفِي التناوب أَيْضا هَذَا الْمَعْنى، لأَنهم لَا يتناوبون إلاّ لطلب الْعلم والباعث عَلَيْهِ شدّة حرصهم.... فيه أَن لطَالب الْعلم أَن ينظر فِي معيشته وَمَا يَسْتَعِين بِهِ على طلب الْعلم. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري باب التناوب)

٨ یہی بات حافظ ابن بطال نے بھی شرح البخاری میں لکھی ہے۔

٩ اس زمانہ کے طالب علم کے کسب معاش کی مجبوری میں مجلس علم سے غیر حاضر رہ جانے کی کیفیت کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ اس طرح بیان فرمایا:
اس مجلس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شریک ہونے اور اس سے استفادہ کرنے کا اتنا

اہتمام تھا کہ بعض لوگ روزانہ مجلس نبوی میں حاضر نہ ہو سکتے تو باری باری سے ایک دن حاضر ہوتے اور جو کچھ اس مجلس میں پیش آتا اس کی اطلاع اپنے رفیق کے ذریعہ حاصل کرتے، جس دن وہ حاضر نہ ہو سکتے اس دن ان کو ایک بے کلی سی رہتی اور انتظار رہتا کہ آج وہاں کیا پیش آیا اور لوگوں نے آج کیا درس لیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اور میرا انصاری پڑوسی بنی امیہ بن زید کے محلہ میں (جو مضافات مدینہ میں تھا) رہتے تھے، ہم دونوں باری باری آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مجلس میں حاضر ہوتے، ایک دن وہ حاضر ہوتا اور ایک دن میں، جس دن میں حاضر ہوتا اس دن کی اطلاع اور احکام وغیرہ اس کو پہنچا دیتا، اور جس دن وہ حاضر ہوتا اس دن کی اطلاعات اور احکام مجھے پہنچا دیتا۔ (مدارس اسلامیہ اہمیت و ضرورت ومقاصد، ص: ٦٢)

حضرت مولانا سعد صاحب کا نظریہ بھی طلبۂ علم کے سلسلے میں یہی ہے کہ وہ اپنے معاش کا بوجھ خود اپنے اوپر لے کر علم حاصل کریں تا کہ علم کی صحیح قدر بھی کریں اور جو حقیقی معنی میں قدر دان ہیں وہی علم حاصل کریں۔

مدارس میں الحمدللہ جو غیر امدادی داخلے کا نظام ہے اگر ترغیب دی جائے اور آدمی تھوڑی سی ہمت کرلے اور اپنی خوراک کا خود کفیل ہو جائے، پانی، بجلی اور کرائے کی مد میں بھی اگر کچھ مقدار ہر طالب علم جمع کرا دیا کرے اور اس سلسلے میں اگر ان کے والدین کو بھی متوجہ کیا جائے تو بظاہر یہ ایک بہترین شکل ہے اس سے مدارس کے اخراجات کے بہت سے مسائل بھی خود بخود حل ہو سکتے ہیں، تھوڑی سی توجہ دلانے کی ضرورت ہے بہت سے طلبہ مستطیع ہوتے ہیں دارالعلوم کے ایک فتوے میں بھی اسکی طرف متوجہ کیا گیا ہے چنانچہ استفتاء (نمبر: ٦١١١٣٩) میں تحریر ہے ''جب آپ خود صاحب نصاب ہیں تو زکاۃ کی رقم کا کھانا آپ کے لیے مدرسہ میں جائز نہ ہوگا۔ ہاں امدادی رقم سے کھانا بنتا ہو تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دنیاوی تعلیم کے لیے طلبہ اور ان کے والدین لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں، دینی علم

کے لئے بھی چند ہزار روپے خرچ کرنے کی اگر لوگوں کو ترغیب دی جائے تو اس کا ماحول بننا کچھ مشکل نہیں ۔حضرت مولانا سعد صاحب کے مذکورہ بیان کا یہ جملہ ''میرا دل یہ چاہتا ہے اللہ کرے یہ نظام دنیا میں قائم ہو جائے کہ طلبہ فیس دے کر پڑھیں'' سے یہی مراد ہے اس سے کوئی الگ نظام قائم کرنا مقصود نہیں جیسا کہ اس بیان کو ضبط کرنے والوں نے تأثر دینے کی کوشش کی ہے۔

② مدارس پر خرچ کے سلسلے میں نظریہ

مدارس پر خرچ کرنے کے سلسلہ میں مولانا سعد صاحب کا نظریہ جو ان کے مختلف بیانات وملفوظات سے سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ، اگر چہ اس میں شک نہیں کہ مدارس میں زکوۃ کا مال لگانا جائز بلکہ اس معنی کر کہ اس میں علم وعلماء کا تعاون ہے بعض دیگر مصارف کے بہ نسبت افضل بھی ہے کیوں کہ مدارس میں ایسے بہت سے طلبہ بھی ہوتے ہیں جو مستحق زکوۃ ہوتے ہیں ؛لیکن عوام کا یہ ذہن کیوں بن گیا کہ مدارس پر لگانے کے لئے صرف زکوٰۃ ہی ہے اس کے علاوہ باقی ساڑھے ستانوے فیصد میں سے لگاتے ہی نہیں حالانکہ اگر عوام کو یہ ترغیب دی جائے کہ وہ زکوٰۃ کے علاوہ مال میں سے بھی مدارس پر خرچ کریں تو مدارس کے تعاون میں بھی اضافہ ہو اور مدارس کے ہر طرح کے مصارف میں بلا تکلف خرچ کرنا بھی آسان ہو اور عوام کی نگاہ میں علم واہل علم کی عظمت بھی بڑھے۔

ہم مفتی حسام الدین صاحب قاسمی کی جمع کردہ کتاب (ملفوظات مولانا سعد صاحب) میں سے تین ملفوظات اور مذکورہ بیان میں سے ایک خط کشیدہ عبارت پیش کرتے ہیں تا کہ اس سلسلے میں مولانا سعد صاحب کے نظریہ کو سمجھنا آسان ہو۔

① مدارس کے تعاون کو اپنے مال کا سب سے بڑا مصرف سمجھو۔

② مدارس پر خرچ کرنا سب سے بڑا صدقۂ جاریہ ہے۔

③ جو مال اپنی خواہشات پر صرف ہو رہا ہے اسے خواہشات سے بچا بچا کر مدارس پر صرف کرو۔ (ملفوظات مولانا سعد صاحب۔صفحہ:۵۴)

④ کچھ دن سے معمول بن گیا ہے کہ لوگ مال کے میل کا مصرف علم کے علاوہ کسی اور چیز کو بہتر سمجھتے ہی نہیں۔۔۔الخ۔بھوپال اجتماع میں مولانا محمد سعد صاحب کا ایک بیان (علماء کی مجلس)(صفحہ:۳)

مولانا کے اس نظریہ کی تائید دارالعلوم کے درج ذیل فتاویٰ سے بھی ہوتی ہے:

① (۶۰۲۹۱۸)ایسے مدرسہ میں کہ جس میں غیر رہائشی طلباء طالبات پڑھتے ہوں زکاۃ ودیگر صدقات واجبہ وصول کر کے مدرسہ میں خرچ نہ کرنا چاہئے زکاۃ ودیگر صدقات واجبہ سے اساتذہ وملازمین کے وظائف (تنخواہیں) اداء کرنا جائز نہیں یا تو طلبہ وطالبات پر مناسب فیس مقرر کر کے نظام چلائیں ورنہ امداد وعطیات سے جس قدر چلاسکیں بس اتنا ہی انتظام رکھیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

② (۷۴۲۳)مدرسہ کی تعمیر میں زکاۃ کے روپے کا استعمال درست نہیں، اس سے زکاۃ ادا نہیں ہوتی۔ ماضی میں جتنے روپے زکاۃ کے آپ مدرسہ کی تعمیر کے لیے دے چکے ہیں، دوبارہ اتنی رقم فقراء ومساکین وغیرہ کو دیدیں۔

③ (۱۷۳۰۷۰۹) مدرسے میں آنے والی زکاۃ کی رقم، طلبہ پر تملیکاً خرچ کرنا لازم ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ماہانہ وظائف کی شکل میں طلبہ کو تقسیم کردی جائے یا زکاۃ کی رقم سے کھانا بنوا کر کھانا تقسیم کرادیا جائے یا کتابیں خرید کر طلبہ کو انعام میں دے کر مالک بنادیا جائے، جو طالب علم مستحق زکاۃ نہیں ہے مثلاً سید ہے یا غنی ہے اس کے لئے زکاۃ لینا کسی بھی شکل میں جائز نہیں، اسی طرح زکاۃ کی رقم، اساتذہ کرام کی تنخواہوں میں دینا یا تعمیری کام میں لگانا درست نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

③ بغیر معاوضہ تعلیم دینے کے سلسلے میں نظریہ

بغیر معاوضہ کے لوگوں کو تعلیم دینے کے سلسلے میں مولانا سعد صاحب کا نظریہ سمجھنے سے پہلے کچھ اکابر کے نظریات پیش کے جاتے ہیں۔

① حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی نے مرکز میں اپنے مدرسے کی بنیاد ہی بغیر

تنخواہ کی تعلیم پر رکھی۔

(۲) دار العلوم دیوبند سے جاری ہونے والے ایک فتویٰ میں تحریر ہے:

''قرآن شریف کی تعلیم دینا اعلیٰ درجہ کی دینی خدمت ہے شرف کی بات تو یہ ہے کہ بلا اجرت لیے تعلیم دی جائے لیکن ذریعہ معاش کا جائز بندوبست نہ ہونے کی صورت میں قرآن کی تعلیم دے کر اجرت لینا جائز ہے کیونکہ دینی معاملات میں سستی اور لاپرواہی کی وجہ سے بلا اجرت پڑھانے والے نہیں ملیں گے اور دین کی حفاظت جو کہ قرآن وحدیث کی حفاظت کے ذریعہ ممکن ہے نہ ہوسکے گی اس لیے حفاظت دین کی ضرورت کے پیش نظر فقہائے متاخرین مثل صاحب ہدایہ وغیرہ نے تعلیم قرآن وحدیث اور فقہ نیز امامت پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے۔ **قال فی الدر: ویفتی الیوم بصحتھا ای (الإجارۃ) علی تعلیم القرآن و الفقہ و الإمامۃ و الأذان** (الدر مع الرد: ۴۶/۵)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

Fatwa ID: 1294-1062/D=12/1438

(۳) اسی طرح تنخواہ نہ لینے کے سلسلے میں انبیاء علیہم السلام کی شان لکھنے کے بعد بدرجہ مجبوری تنخواہ لینے کے دینی نقصانات کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: تمام انبیاء علیہم السلام کا عام اعلان یہ ہوتا ہے **وَمَا اَسْأَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ** یعنی میں تم سے اپنی خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا اور انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ ودعوت کے مؤثر ہونے میں ان کے اس استغناء کا بڑا دخل ہے۔ جب سے علمائے دین اہل فتوی واہل خطابت و وعظ کی خدمت کا انتظام اسلامی بیت المال میں نہیں رہا ان کو اپنی تعلیم اور وعظ وامامت پر تنخواہ لینے کی مجبوری پیش آئی وہ اگرچہ متاخرین فقہاء کے نزدیک بدرجۂ مجبوری جائز قرار دی گئی مگر اس میں شبہ نہیں

کہ اس معاوضہ لینے کا اثر تبلیغ و دعوت اور اصلاح خلق پر نہایت برا ہوا جس نے ان کی کوششوں کا فائدہ بہت ہی کم کر دیا۔ (معارف القرآن: ۶/ ۱۰۸)

(۴) اس سلسلے میں محی السنہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں لکھا ہے:

''دین کی محنت اور خدمت کا اصل طریقہ نبوت کا بدون اجرت کرنا تھا جیسا کہ سورۂ یٰس میں ارشاد ہے: اتَّبِعُوا مَنۡ لَّا يَسۡـَٔلُكُمۡ أَجۡرًا وَهُمۡ مُّهۡتَدُونَ دوسرے مقام پر ارشاد ہے: إِنۡ أَجۡرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ اجر کا سوال نہ کرنا اور ہدایت یافتہ ہونا اس قید کی ضرورت اور اہمیت ظاہر ہے۔ ورنہ عیسائی مشنری بھی آج ل بدون اُجرت بلکہ دودھ اور مکھن کے ڈبے بھی پیش کر کے اپنے مذہب کا پروپیگنڈا کر رہی ہے؛ لیکن وہ ہدایت یافتہ نہیں ہے۔ اور حق تعالیٰ شانہ سے اجر کا امیدوار ہونا یہ تین باتیں دعوت اور خدمت دین کا علیٰ منہاج النبوۃ طرز ہے۔ لہٰذا نائبین انبیاء علیہم السلام کو نیابۃً اسی طرز کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے کام کرنا چاہیے یعنی قلب میں یہی جذبہ اور نیت کارفرما ہو کہ یا اللہ! یہ تنخواہ اپنی مجبوری سے لے رہا ہوں ورنہ متبادل آمدنی کے لیے کوئی جائیداد وغیرہ ہوتی تو اے اللہ! آپ کے دین پاک کی خدمت بدون کسی معاوضہ اور وظیفہ کے کرتا، اور ہماری یہ بڑی ہی سعادت ہے کہ آپ کے کرم نے ہم کو دین کے کاموں کے لیے قبول فرمایا ہوا ہے۔ (مجالس ابرار: ۱۹۵)

(۵) شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا علی میاں نے حضرت دہلوی کی سوانح میں لکھا ہے جو خود میرے علم میں بھی ہے بلکہ میں خود تنخواہ دار مبلغین کا ابتداء بہت حامی رہا میرے ہی اصرار پر شروع میں مبلغین رکھے گئے۔

اور تجربہ سے واقعی معلوم ہوا کہ تنخواہ دار مبلغین سے وہ لوگ بہت مفید اور کارآمد ثابت ہوئے جو بلا معاوضہ دینی جذبہ سے کام کرتے ہیں۔علی میاں صاحب لکھتے ہیں کہ ''دہلی اور دوسرے مقامات پر تبلیغ کرنے کے لیے کچھ عرصہ میں پانچ تنخواہ دار مبلغین رکھے ہوئے تھے جو قریب قریب تبلیغ کے مروجہ عام طریقوں پر کام کرتے تھے انہوں نے تقریباً ڈھائی سال کام کیا؛ لیکن ان سے مولانا کا مقصود حاصل نہیں ہوتا تھا اور مولانا اس سست اور بے روح کام سے بہت اکتا گئے تھے ان لوگوں کے کام سے وہ دینی اور اصلاحی نتائج حاصل نہیں ہورہے تھے اور وہ حرکت وزندگی نہیں پیدا ہورہی تھی جو میوات کے رضا کار اور طالب اجر اور ایثار پیشہ مبلغین سے پیدا ہوگئی تھی مولانا اس طریق کار سے بالکل غیر مطمئن ہو گئے تھے اور اس کو ختم کر دینا چاہتے تھے''۔(تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات،ص:۱۶۰)

بلا معاوضہ تعلیم کے مولانا سعد صاحب کے نظریے کے سلسلے میں یہ عرض ہے کہ اس میں کس کو اختلاف ہوسکتا ہے کہ بلا معاوضہ تعلیم دینا عزیمت ہے اور متفق علیہ ہے تمام انبیاء اور صحابہ کی سنت ہے اور اصل ہے اور اس کے مقابلے میں معاوضے کے ساتھ تعلیم دینا مختلف فیہ ہے رخصت ہے مجبوری کے درجے میں ہے تو اگر کوئی شخص پوری قوت کے ساتھ عزیمت اور اصل کی دعوت دیتا ہے تو اس میں برا کیا ہے اور اس میں کونسا غلو ہے؟

(۴) کتاب سے تعلیم کے سلسلے میں نظریہ

تعلیم کتاب سے ہو یا بغیر کتاب کے اس سلسلے میں حضرت مولانا سعد صاحب کا نظریہ سمجھنے سے پہلے یہ ذہن میں رہے کہ حضرت مولانا سعد صاحب نے خود مدرسے میں کتابوں سے پڑھا ہے اور اس وقت بھی وہ بخاری شریف کا کتاب سے درس دیتے ہیں۔

اصل میں ایک تفصیلی علوم کا تعلیم و تعلم ہے اور ایک ضرویات دین کا تعلیم و تعلم ہے۔ عمومی طور پر ہر فرد امت کو فرائض اور ضروریات دین کی تعلیم کی دور نبوی سے لے کر اب تک جو اصل عمومی ترتیب ہے کہ بغیر کتاب اور بغیر نصاب کے ہر ایک کو اس کی ضرورت کا علم پہنچایا جائے، محلے کی ہر مسجد میں اس کا ماحول بنانے کی ضرورت ہے اسی چیز کے عمومی طور پر چھوٹ جانے کی وجہ سے امت کا ۹۸ فیصد طبقہ فرائض اور ضروریات دین سے بھی ناواقف ہے اس سے مدارس کے نظام تعلیم پر رد کرنا مقصود نہیں ہے جیسا کہ مستفتی نے تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔

تعلیم کی ان دونوں شکلوں کے فرق کو سمجھنے کے لئے اکابر علماء کی بعض عبارات پیش ہیں:

① حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات میں ہے: ''اگر تم سے توکل ہو سکے تو پھر کسی کا انتظار نہ کرو خدا پر بھروسہ کرکے چل پڑو انشاء اللہ وہ تمہاری ضروریات کو پورا کریں گے اور اس میں رہ کر جتنا تبلیغ کر سکو اور اپنے محلے میں وعظ کہو۔ اور گاہے گاہے آس پاس وعظ کہا کرو۔ علماء نے یہ کام آج کل بالکل چھوڑ دیا اسی لئے آج کل واعظ جہلاء زیادہ نظر آتے ہیں اور علماء واعظ بہت کم ہیں تو اپنی اصل مقصود کے علاوہ جس چیز کو مقصود بنا دیا تھا اس کی بھی تکمیل نہیں کی اس کا بھی ایک شعبہ لے لیا یعنی تعلیم درسیات اور دوسرا شعبہ تعلیم عوام کا چھوڑ دیا۔ صاحبو! اگر علماء عوام کی تعلیم نہ کریں گے تو کیا جہلاء کریں گے اگر جہلاء یہ کام کریں گے تو وہی ہوگا جو حدیث میں ہے: ''اتخذوا رؤوسا جھالا فضلوا واضلوا''۔ (خطبات سلسلہ علم وعمل، ص: ۳۳۱)

نیز ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''ہم لوگ جو لکھے پڑھے کہلاتے ہیں۔ بس طالب علموں کے پڑھانے کو بڑی معراج سمجھتے ہیں مگر جو غایت اصلی اور غرض صحیح تعلیم

وتعلم سے ہے اور جو انبیاء علیہم السلام کا خاص کام ہے یعنی تبلیغ و اشاعت جو بذریعہ وعظ ہوتی ہے اس کا کہیں پتہ بھی نہیں، بلکہ جو اساتذہ علامہ کہلاتے ہیں وہ اسے موجب تذلیل وتحقیر و باعث استخفاف اورننگ و عار سمجھتے ہیں اور اس زعم باطل میں مبتلا ہیں۔ کہ وعظ کہنا جاہلوں کا کام ہے۔بس جی جب تم نے اُسے جاہلوں کا کام سمجھ کر چھوڑ دیا۔تو پھر جاہلوں ہی نے اسے لے لیا جنہیں معانی کی تو کیا خبر ہوتی الفاظ تک درست اور صحیح ادا نہیں کر سکتے۔ لوگوں نے وعظ کہتے دیکھ کر انہیں عالم سمجھ لیا۔ اور عالم سمجھ کر بعد وعظ کے فتوے پوچھنے شروع کر دیئے۔ یہ بیچارے عالم تو تھے نہیں، مگر یہ کہتے شرم آئی کہ مجھے مسائل نہیں معلوم مجبورا جو جی میں آیا بتا دیا۔ اور غلط سلط فتوی دے دیا۔ حدیث شریف میں ہے: **اتخذوا رؤسا جھالا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا** کہ آخر زمانہ میں لوگ سردار بنالیں گے جاہلوں کو جو بغیر علم کے فتوے دیں گے۔خود بھی گمراہ ہوں گے، لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔تو یہ نوبت کیوں آئی۔ صرف اس لئے کہ جن کا یہ کام تھا، انہوں نے چھوڑ دیا اور اپنے لیے موجب استخفاف سمجھا۔حالانکہ یہ حضرات انبیاء کا اصل کام تھا۔ ان حضرات نے سوائے وعظ و پند اور تبلیغ و اشاعت کے کبھی مدرسہ نہیں بنایا مگر اس سے یہ شبہ نہ ہو کہ جب انبیاء علیہم السلام نے مدرسہ نہیں بنایا۔تو مدرسے بے کار ہیں یہ بیکار نہیں ہیں یہ نماز کے لیے بمنزلہ وضو کے ہیں کہ جس طرح نماز کے لئے وضو ضروری ہے۔ اسی طرح تبلیغ و اشاعت کے لئے مدارس کا وجود ضروری ہے۔ ہاں بعد فراغ،تبلیغ واشاعت سے باز رہنا ایسا ہی ہے

جیسا کوئی وضو کر کے نماز نہ پڑھے۔تو وہاں مدارس کی اس لیے ضرورت نہ تھی۔ کہ علوم کا محفوظ رہنا عادۃً ان پر موقوف نہ تھا۔علوم سماع سے محفوظ تھے اور وہاں رات دن ان کی تبلیغ واشاعت ہی سے کام تھا۔سفر میں ،حضر میں چلتے پھرتے ،اٹھتے بیٹھتے شغل اُن حضرات کا دعوت الی اللہ ہی تھا۔تو جو کام انبیاء علیہم السلام کا اصلی کام تھا۔ اس کو موجب عار واستخفاف سمجھنا کتنی بڑی غلطی وگستاخی ہے۔اب رہا یہ کہ پڑھنا پڑھانا پھر کیوں ضروری ہوا۔اصل تو یہی تھا کہ ایک دوسرے کو یونہی کہتے رہتے۔مگر نہ تو سلف کا سا تقوی رہا نہ حافظہ اگر ایسے ہی رہنے دیا جاتا۔تو یہ اطمینان نہ تھا۔کہ سُنے ہوئے مسائل یاد رہیں گے۔(خطبات سلسلہ دعوت وتبلیغ ،ص:۲۲-۲۳)

نیز ایک تیسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''اس کے اصل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ دیکھ لیا جائے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا طرز کیا تھا،کیا وہ کتابیں پڑھایا کرتے تھے؟ ہرگز نہیں !ان کی تعلیم کا طریقہ یہی وعظ (وتبلیغ) تھا اور اصل مقصود یہی تھا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم تو وہی علوم تھے ان کو نہ کتاب پڑھنے کی ضرورت تھی نہ وہ اس کے محتاج تھے کہ کتاب سامنے رکھ کر دوسروں کو پڑھائیں۔کیونکہ حقائق کو بغیر اصطلاحات کی مدد کے سمجھانے پر قادر تھے وہ معقول کو محسوس بنا دیتے تھے اس لیے ان کو کتابیں پڑھنے اور پڑھانے کی ضرورت نہ تھی ۔ پھر بعد میں صحابہ بھی حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ تھے وہ بھی اس کے محتاج نہ تھے بعد میں جب حفظ میں کمی آئی اور علوم وہبیہ کی استعداد کم ہوگئی تو علوم کو کتابوں میں مدون کیا گیا اور اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ

کتابیں پڑھی اور پڑھائی جائیں۔مگراس کی ضرورت اسی بات کے واسطے ہوئی کہ کتابوں سے علم حاصل کر کے عوام کوصحیح علوم کی تبلیغ کریں غلط سلط باتیں نہ بتائیں۔اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ کتابیں پڑھانے ہی کومقصود سمجھ لو،اورتبلیغ وانذارکوچھوڑ کر بیٹھ جاؤ‘‘۔(دعوت وتبلیغ کے اصول وآداب مرتب مولانا زید ندوی مظاہری صفحہ:۴۸-۴۹)

اسی سلسلے میں حضرت مولانا ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مندرجہ ذیل ملفوظ نقل فرماتے ہیں:

’’سوچنے کی بات ہے کہ جولوگ آپ کے مدرسہ میں دین سیکھنے کے لئے آرہے ہیں ان کی تدریس کے لئے ۲۰ مدرسین ہوں اور جولوگ یہاں نہیں آرہے ہیں ان کے لئے ایک بھی نہ ہو‘‘۔(مجالسِ ابرار، ص:۷۶۴)

(۲) نیز مفکّر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دینی دعوت صفحہ:۲۹۰-۲۹۱ میں)فرماتے ہیں:

’’اس تحریک کے اصول وارکان میں ذکر وعلم کے لفظ بار بار آئے ہیں،مولانا مسلمانوں کوان کی عام دعوت دیتے تھےلیکن مولانا کی تحقیق واصطلاح میں ذکر وعلم کے خاص معنی ہیں،اس لئے ان کی مستقل تشریح کی ضرورت ہے کہ مولانا کی اصلاحی وتجدیدی دعوت کا یہ بہت اہم شعبہ ہے۔سارے ہندوستان اور پورے عالم اسلام میں مدت سے ذکر وتعلم کی دو خاص اصطلاحیں اور ان کے دو اصطلاحی طریقے رائج ہیں،ذکر کے لئے مقرر اوراد ووظائف اور علم کے لئے کتابوں اور مدارس کا ایک مخصوص نظام ہے جس میں متعدد سال صرف کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ذکر وحصول علم کورفتہ رفتہ

ان دونوں دائروں میں اس طرح محدود کر دیا گیا کہ ان دونوں طریق و نظام کے بغیر ذکر و علم کا حصول مستبعد اور تقریباً خارق عادت سمجھا جانے لگا۔ مولانا کی دعوت وتحریک کا دوسرا انقلابی وتجدیدی جزو یہ ہے کہ یہ دونوں طریقے اور نظام بہت ضروری اور بڑی خیر وبرکت کا باعث ہیں؛ لیکن یہ تکمیلی اور خصوصی درجہ ہے جس سے خواص امت اور عالی ہمت اہل طلب ہی اپنی تکمیل وترقی کر سکتے ہیں؛ لیکن امت کے لئے یہ عمومی طریق نہیں ہے اور اس راستہ سے امت کے مشغول اور عام افراد اور اس کا سواد اعظم ذکر وعلم کے منافع وثمرات اور اس کے مقاصد تھوڑے وقت میں حاصل نہیں کرسکتا، امت کا اصلی اور طبعی طریق حصول علم وذکر وہی ہے جو قرن اول میں تھا۔ مولانا نے قرن اول کے مسلمانوں کے طریق زندگی کا بڑی غائر نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ آخر وقت تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات وسیر اور اخلاق وشمائل کا مذاکرہ اور دور رہا اور ان کے حالات پڑھوا کر سنتے رہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خصائص وامتیازات اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور جزئیات پر جتنی عمیق نظر تھی اس وقت تک کہیں دیکھنے میں نہیں آئی۔ مولانا کا اصلی درد یہی تھا کہ اسی طرز زندگی اور اس طریق ذکر وتعلم کو زندہ کیا جائے۔ اھ

نیز فرماتے ہیں:

''علم کے متعلق بھی مولانا کی تحقیق یہ تھی کہ دین کے تعلیم وتعلم کو کتابوں کے نقوش اور مدارس کے حدود میں محدود کر دینا قرون متاخرہ کا طریقہ اور امت کے بڑے طبقہ کو اس دولت سے محروم کر

دینے کے مرادف ہے۔اس طرح امت کا بہت مختصر طبقہ دین کے علم سے مطلع ہوگا اور وہ بھی اکثر محض نظری اور ذہنی طور پر''۔(دینی دعوت،ص:۲۹۰)

اس سلسلے میں مولانا الیاس صاحب کا یہ ملفوظ بھی نقل کیا:

''انسان کا ہر عضو ایک خاص وظیفہ کے لئے مخصوص ہے۔آنکھ سے دیکھنے کا کام لیتے ہیں اور اس کام کے لئے وہ مجبور ہے، اس سے سننے کا کام نہیں لیا جا سکتا، اسی طرح بیرونی ماحول کا احساس دل کا کام ہے، دل جس چیز کا احساس کرتا ہے دماغ کا کام اس کی تشکیل کرنا ہے۔ دماغ دل کے ماتحت ہے اور دل میں احساس ماحول سے پیدا ہوتا ہے، دماغ کی تشکیل کا نام علم ہے۔ دماغ اسی وقت صحیح تشکیل کرے گا یعنی علم حاصل کرے گا جب دل صحیح احساس رکھتا ہو اور یہ احساس جامد کتابوں کی صحبت سے نہیں پیدا ہوسکتا۔ یہ تو عمل سے ہوگا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مدرسے بند کر دیے جائیں، مدرسے تعلیم کی تکمیل کے لئے ہیں۔لیکن ابتدا کے لئے موزوں نہیں''۔

(دینی دعوت،ص:۲۹۳)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ بالا ملفوظ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''یہ علم و تعلیم کے متعلق ایک ایسا علمی مدلل اور محققانہ بیان اور ایک ایسی گہری تقریر ہے جس کو علمی طور پر اہل علم کو اپنے بحث ونظر اور تلاش و تحقیق کا موضوع بنانا چاہئے ۔مولانا کی دعوت کا یہ تعلیمی جزو ایسا اہم اور ایک ایسا انقلاب آفریں نظریہ تعلیم ہے جس پر ہمارے تعلیمی اداروں اور اہل علم کو سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کرنا

چاہئے تھا اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے تھا۔ لیکن مولانا کی دعوت کے سلسلہ میں سب سے کم اسی جز و کو سمجھنے کی کوشش اور سب سے کم اسی کی طرف توجہ کی گئی'' (ص: ۲۹۳)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں:

''ان کی آرزو تھی کہ دین کے تعلیم و تعلم کا یہ عام راستہ جس سے مدارس کے شاہانہ مصارف اور وسیع انتظامات کے بغیر امت کے ہزاروں لاکھوں مشغول افراد، دین کی ضروری تعلیم اور دینی تعلیم و تربیت کے اعلیٰ نتائج (جن کا اب مدارس میں بھی حصول مشتبہ ہو گیا ہے) حاصل کر سکتے ہیں، عام طور پر کھل جائے اور اس کا رواج پڑ جائے۔ ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ وہ طرز زندگی اگر رائج ہو جائے اور جانیں جا کر بھی اگر یہ راستہ کھل جائے تو امت محمدی کے نہایت مشغول رہنے والے اور اپنے مشاغل سے فارغ نہ ہو سکنے والے افراد کو رشد و ہدایت سے پورا پورا حصہ ملنے کا مردہ طریق زندہ اور پائیدار ہو جائے گا''۔ (دینی دعوت، ۲۹۶)

(۳) حضرت مولانا علی میاں ندوی تحریر فرماتے ہیں:

''میں اس وقت عربی مدارس کی افادیت کا اتنا قائل نہیں ہوں کہ قصبے قصبے میں ہوں اور ہر جگہ دورہ ہو، اور ہر جگہ بخاری شریف ضرور ختم ہو، لیکن ان مکاتب کی ضرورت زیادہ ہے یعنی مسلمانوں کو دین کے مبادیات سے واقف اور حلال و حرام اور اس سے بڑھ کر کفر و ایمان اور توحید و شرک، ان کا امتیاز ان کو ہو جائے ہم آپ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، اور تیزی کے ساتھ ہندوستان بدل رہا ہے، ہر چیز کو نیشنلائز کیا جا رہا ہے، یونیورسٹیوں کی باری آ گئی، مسلم یونیورسٹی کی

باری آ گئی، کل مدارس کی باری آسکتی ہے، تو اس کے لئے مکاتب کا جال بچھا دیجئے، اور مساجد کو مسلمانوں کی زندگی کا مرکز بنایئے۔ سب سے آخر میں انقلاب کے قدم جہاں پر پہونچیں گے۔ وہ مسجدیں ہیں، اس کے لئے آپ ایسی جگہ اپنے مرکز بنایئے۔ جہاں دیر میں انقلاب پہونچے یا وہاں تک انقلاب پہونچتے پہونچتے قیامت آجائے ممکن ہے موقع ہی نہ ملے تو آپ مساجد کو مرکز بنایئے، اور کثرت سے مکاتب قائم کیجئے، اور بالکل اس کی پرواہ نہ کیجئے کہ آپ نے مدرسہ میں یہ پڑھا تھا، وہ پڑھا تھا، اور وہ علوم ومعارف اور حقائق پڑھے تھے، اور اب یہاں بچوں کو پڑھا رہے ہیں، دیہاتیوں سے باتیں کر رہیں ہیں، آپ نے علم ضائع کیا کبھی اس کا خیال نہ کیجئے مقصود اللہ تعالی کی رضا ہے، اور اسلام کا تحفظ، یہ دو محاذ ہیں، یہاں رہتے ہوئے استعداد پیدا کرنا اپنے علم میں کمال پیدا کرنا، اچھے مدرس بنانا اور باہر امارت شریعہ کا نظام اور مکاتب کا قیام، اگر آپ وَاما ما ينفع الناس فيمكث فی الارض کے مصداق ہوں گے تو کوئی بے رحم اور بے درد ہاتھ، کوئی ظالم ہاتھ اور کوئی انقلاب وتغیر آپ کے نقش کو مٹا نہیں سکتا، اور آپ کو اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتا، اور سچی بات ہے کہ آپ کے لئے کوئی انقلاب نہیں ہے، آپ کے لئے کوئی تغیر نہیں ہے، اس لئے کہ آپ نے اپنی نافعیت ثابت کر دی اور اللہ تعالی کے یہاں اس کے لئے خاص طور پر ضمانت ہے، جو دین کے ذریعہ دین کے راستہ میں اپنی نافعیت ثابت کر دے، جب ہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا تھا **ان تهلك هذه العصابة لن تعبد** اے اللہ تیری عبادت کا انحصار

ان پر ہے، تیری توحید کی منادی کا انحصار ان پر ہے، آپ بھی ثابت کر دیجئے کہ ”اللهم ان تهلك هذه العصابة لن تعبد في هذه الارض“ کم سے کم یہیں ہندوستان کے متعلق کہہ دیجئے، پھر کوئی آپ کا بال بیکا نہیں کرسکتا۔

بس بھائیو! اگر آپ نے میری یہ باتیں یاد رکھیں ہوسکتا ہے، اس میں آپ کوئی جوش و خروش نہ پائیں کوئی خطابت نہ پائیں کوئی علمی تحقیق نہ پائیں، لیکن یہ آپ کے کام کی باتیں ہیں تو انشاء اللہ آج سے دس برس کے بعد معلوم ہوگا کہ آپ نے ایک بہت بڑا حصار قائم کرلیا، نہ صرف اپنے لئے بلکہ تمام مدارس کے لئے اور دینی دعوت اور اس کے کام کے لئے، اگر یہ نہیں ہے تو مجھے ان دینی مدارس کے بند ہونے کا بہت خطرہ ہے لیکن اگر آپ نے اللہ تعالے کے یہاں مدد کا استحقاق پیدا کرلیا، اور یہاں آپ نے زندہ رہنے کا استحقاق ثابت کردیا تو انشاء اللہ پھر انقلاب کی کوئی دست برد آپ کو مٹانے میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اور اگر یہ نہیں تو محض تاریخ کے سہارے اور روایات کے سہارے اور محض رحم کے استغاثے کے بل پر نہ کوئی جماعت رہ سکتی ہے نہ کوئی ادارہ رہ سکتا ہے نہ کوئی تنظیم رہ سکتی ہے، اگر آپ کسی پیام کے منتظر ہوں تو میرا پیام آپ کے سامنے یہی ہے اگر آپ کسی درخواست کو سن سکیں تو میری یہی آپ سے درخواست ہے، اگر آپ کسی مشورے کے طالب ہوں تو میرا آپ کو یہی مشورہ ہے، اس کے علاوہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ (پاجا سراغِ زندگی، ص:۱۷۵)

④ نیز اس سلسلے میں دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر مفتی حضرت مفتی محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی مندرجہ ذیل عبارت بھی مراد کے سمجھنے میں معاون ہوگی۔

”انبیاء علیہم السلام عموماً اور ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خصوصاً معلم بنا کر بھیجے گئے اور دین سیکھنے اور سکھانے کی ذمہ داری سب پر ڈالی گئی، پھر اس کے طریقے مختلف رہے، شروع میں نہ آج کل کی طرح دینی مدارس تھے نہ خانقاہیں تھیں نہ کتابیں

تصنیف کرنے کا سلسلہ تھا نہ وعظ تقریر کے جلسے ہوتے تھے نہ انجمنیں بنانے کا دستور تھا، بلکہ زبانی ہی سیکھنے اور سکھانے کا عموما معمول تھا اصحاب صفہ نے بھی اسی طرح سیکھا اور جہاں جہاں آدمی بھیجے گئے مثلاً حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اسی طرح سکھاتے تھے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی درخواست پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجا ڈیڑھ ہزار آدمیوں کی بڑی جماعت کو ساتھ لے کر گئے، اور تمام علاقہ کوفہ میں دین سکھانے کا انتظام فرمایا، پھر احادیث جمع کرنے اور لکھنے کا رواج ہو گیا تو ان کے ذریعہ سے دین سکھایا گیا، پھر مدارس قائم کئے گئے ان کے ذریعہ دین سکھایا گیا، اور اس جیسے سب طریقے جائز ہیں اور مفید ثابت ہوئے۔ لیکن اول اول جو طریقہ تھا وہ بلا کتاب کے ہی تھا اور ہر زمانہ میں بلا کتاب ہی سیکھنے اور سکھانے کا دستور باقی رہا اگرچہ قرن اول کی طرح نہیں تھا مگر فنا کبھی نہیں ہوا، اب تبلیغی جماعت کے مساعی سے اللہ پاک نے پھر اس طریقہ کو رواج عام دیدیا، لہٰذا یہ کہنا بھی درست ہے کہ یہ نبیوں والا کام ہے یعنی بغیر مدرسہ کے زبانی دین سیکھنے اور سکھانے کی کوشش کرنا اور اپنی زندگی کو اس کے لئے وقف کر دینا، طریقہ انبیاء ہے، مگر دین سیکھنے کے جو دوسرے طریقے ہیں ان کو ناجائز کہنا جائز نہیں، اور ان کو حقیر سمجھنا بھی جائز نہیں، اور اصول تبلیغ کے بھی خلاف ہے اس سے پورا پرہیز لازم ہے اور ہر مسلم کا اکرام اور علمی دینی خدمت کرنے والوں کا اکرام بھی لازم ہے۔ فقط واللہ الموفق لما یحب ویرضی۔ حررہ العبد محمود عفی عنہ

دیوبند“۱۶/ ۴/ ۹۰ھ (کیا تبلیغی کام ضروری ہے، ص: ۳۵۴)

⑤ نیز مولانا سعید احمد خان صاحب اس سلسلے میں فرماتے ہیں: ”آج ان اصولوں کی طرف نظر ہونا اور غور و فکر کا کرنا عادتاً محال ہوتا چلا جا رہا ہے مثلاً علم کا شعبہ جو بہت اہم شعبہ ہے اور تمام امت میں اس کا لانا ضروری ہے اس لئے وہ عمومی طریقہ جس سے پوری امت کے تمام طبقات میں علم عام ہوتا چلا جائے اور ہر شخص قیامت کے میدان میں کامیاب ہو سکے وہ صحابہ کی سیرت پر غور و فکر کرنے سے سمجھ میں آجائے گا۔ان میں علم ضروری کس طرح سے عام تھا۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں علم کو عام کرنے کا جو طریقہ اختیار فرمایا وہ طریقہ اصل ہے۔ اس طریقہ کو چھوڑ کر دوسرے استنباطی طریقے سے علم عام نہیں ہوسکتا، جیسا کہ اس زمانے میں اصل طریقہ باقی نہ رہا، فقط استنباطی طریقے سے سکھایا جا رہا ہے۔ اس میں ذکر اللہ کا شعبہ ہے، اصل طریقے کے بجائے استنباطی طریقے سے چل رہا ہے جس کی وجہ سے ان دونوں شعبوں میں خواص چلتے ہیں عوام نہیں چلتے، البتہ اصل طریقے کے ساتھ استنباطی طریقے بہت مفید ہیں کیونکہ استنباطی طریقے عالم بنانے کے لئے ہیں اور اُمت کا ہر شخص عالم نہیں بن سکتا، خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں علماء کم تھے لیکن دین کے ضروری حصہ پر عمل کرنے والے سب تھے اور وہ عمل علم کے ساتھ کر رہے تھے۔جہل کے ساتھ نہیں، یہی حال ذکر کا تھا۔لہذا اس دعوت کے ذریعے اصل کو زندہ کرنا ہے اور اس کے ساتھ استنباطی طریقے کو جوڑنا ہے۔ اصل طریقے سے علم مع عمل آتا ہے اور ایمان یقین اور عظمت الٰہی کے ساتھ آتا ہے جو دوسرے طریقوں سے یہ چیزیں حاصل نہیں ہوتی ہیں مثلاً حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت کے میدان میں پھراتے ہوئے علم سکھایا، مسجد کو اس کا مرکز بنایا۔ یہ دونوں مقام حق تعالیٰ کی تعظیم اور ایمان ویقین کو بڑھاتے ہیں عمل کی طرف کھینچتے ہیں۔مسجد میں آدمی وضو کے ساتھ علم لے گا، سکون وقار کے ساتھ بیٹھے گا، ہنسی سے

پرہیز کرے گا۔ دھیان وتوجہ سے رہے گا، نماز اور جماعت کا اہتمام کرے گا۔ آداب علم، آداب مجلس اور آداب محل کے ساتھ رہے گا اور یہ سب چیزیں تعظیم خداوندی اور تعظیم علم پیدا کرتی ہیں اور علم کی طرف کھینچتی ہیں۔ حضور پاک کے زمانے میں اسلام کتنا ہی پھیلا ہو لیکن مسجد ہی علم کا مرکز رہا، یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ غرض کہ تمام صحابہ کے زمانے میں دائرہ اسلام بڑھتا رہا اور لاکھوں کی تعداد میں انسان اسلام میں داخل ہو چکے تھے لیکن مسجد میں علم دیا جاتا رہا، مسجدوں کی توسیع ضروری ہوتی رہی، غور کرنے سے اس میں علم کی عظمت اور علم سے ارتباط اور اللہ سے تعلق معلوم ہوتا ہے۔ یہ اصل ختم ہو کر استنباطی شکلوں سے علم کا رواج بڑھ گیا۔ (مکاتیب، ۲/۲۰۴)

⑥ قاضی اطہر مبارک پوری تحریر فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدرس ہی نہیں تھے کہ صرف کتاب پڑھیں پڑھائیں، بلکہ معلم تھے اور ہر حال میں ہر طرح تعلیم دیتے تھے''۔ (خیر القرون کی دینی درسگاہ۔ص: ۲۴)

مولانا سعد صاحب کی بغیر کتاب سے تعلیم کی ترغیب کی اصل مراد یہی ہے۔

چنانچہ اسی بیان کے ص: ۱۲، سطر: ۲ پر لکھا ہے:

> ''عوام کو جہنم سے بچانے کے بقدر تعلیم دینا یہ ایک الگ نظام ہے تخصصات کا نظام ایک الگ نظام ہے، ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ بے شک آپ مدارس کی خدمات اور وہاں کے نظام کو قائم رکھیے بے شک، لیکن آپ کے علم میں عوام الناس کا اس طرح حق ہے جس طرح ایک مالدار کے مال میں سائل غیر سائل کا حق ہے''۔ اھ

صفحہ: ۱۲ سطر: ۷ پر لکھا ہے:

> ''ہاں مدارس آدم سازی کی بنیادی جگہ ہیں، مساجد عوام کو جہل سے

نکالنے عوام کو فرائض پر لانے اور عوام کو اسلام کی بنیادی تعلیم دینے کی جگہ ہیں دونوں چیزیں برابر کی اہمیت رکھتی ہیں''۔اھ

⑤ علماء کی صحبت کے بغیر علم حاصل کرنے کے سلسلے میں نظریہ

مولانا سعد صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ علم علماء کی صحبت سے حاصل کیا جائے خود سے کتابیں پڑھ کر یا موجودہ زمانے کے عمومی نشر واشاعت کے جو آلات ہیں ان کے ذریعہ سے عوام کا گھر میں لیٹے لیٹے اپنی معلومات بڑھانے کا اور اس کے ذریعہ اپنے کو پڑھا ہوا سمجھنے کا اور تمام بڑوں چھوٹوں پر کھلم کھلا تنقید کا جو رجحان بڑھتا جارہا ہے یہ بہت خطرناک ہے۔اور مولانا کا یہ فرمانا کہ علم نشر واشاعت کی چیز نہیں ہے بلکہ تعلیم و تعلم کی چیز ہے اس کا یہی مطلب ہے۔اس کی مزید وضاحت کے لیے ہم مولانا کے اسی بیان کے بعض اقتباسات پیش کرتے ہیں:

① تو ہم نے عرض کیا کہ علم کو امت تک پہنچانا اور علما سے علم کا لینا معلم اور متعلم خدا کی قسم ان دونوں کا ایسا رشتہ ہے اور ان کے درمیان اختلاط اور صحبت وہ علم کے منتقل ہونے کے لیے ایسی بنیادی شرط ہے کہ اگر یہ نہیں ہے تو علم کے انتقال کا امکان ہی نہیں ہمیں اس بات پر بڑا شکوی ہے اس بات پر کہ علماء کی صحبت سے ہٹ کر اب علم نشر واشاعت کی چیزیں بن گیا ہے یہ بڑے دُکھ کی بات ہے، بڑے دُکھ کی بات ہے ورنہ میں کہتا ہوں کہ اختلاط اور صحبت کے بغیر علم کو آگے پہونچانا یا کسی ذریعے کا اختیار کرنا یقینا خلاف سنت اور خلفائے راشدین اور علمائے مجتہدین کے مزاج کے بالکل خلاف ہے، بالکل خلاف ہے۔اھ (ص:۴،سطر:۱۵)

② بنیادی شرط یہ تھی کہ علم کو آگے منتقل کرنے کے لئے کوئی ذریعہ اختیار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ علم سینہ بہ سینہ چلنے کی چیز ہے علم کو لکھ کر نہیں بھیجا جائے گا، صاف طور پر عرض کرتا ہوں، بار بار کہتا ہوں کہ علم اللہ کے واسطے چھوڑ دو نشر واشاعت، علم نشر واشاعت کی چیز نہیں ہے تعلیم و تعلم کی چیز ہے نشر واشاعت کی چیز نشر واشاعت کے

لیے دنیا بہت ہے، اخبار ورسائل یہ دنیا کی نشر واشاعت کے لئے ہو سکتے ہیں، لیکن علم نشر واشاعت کی چیز نہیں ہے۔ (ص:۴، سطر:۳۲)

(۳) جو بات اصل عرض کر رہا تھا کہ عوام اور علماء کے درمیان اختلاط یہ تھے علم کے منتقل ہونے کا سبب کہ علماء کی مجلس اور علماء کی صحبت سے علم حاصل کرو۔ (ص:۶، سطر:۳۳)

(۴) تو میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ تعلیم صحبت چاہتی ہے۔ (ص:۹، سطر:۱)

(۵) تعلیم تو مسجد کا ماحول اور علماء کی صحبت، یہ تعلیم کا مطالبہ ہے۔ (ص:۹، سطر:۳)

(۶) ہمارے یہاں تشکیل یہ ہے کہ علماء عوام کے درمیان رہیں۔ (ص:۱۰، سطر:۳۴)

(۷) جس طرح باپ اپنے ہاتھ سے بیٹے کو لقمہ کھلانا چاہتا ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری امت کے معلم اس طرح ہیں "**أنا لكُمْ بمنزلة الوالد أعلمكم**" یہ ہے اصل بات۔ تعلیم مشقت چاہتی ہے اور تعلیم صحبت چاہتی ہے، جس طرح اولاد کی تربیت باپ کی صحبت میں ہوتی ہے اسی طرح متعلم کی تربیت معلم کی صحبت میں ہوتی ہے، یہ صحبت ان آلات اور ذرائع نے ختم کردی۔ (ص:۱۱، سطر:۱۶)

(۸) ہم عرض کرتے ہیں یہ دینی مدارس اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اسلام کے قلعے ہیں، ماحول میں رہنا یہاں کی شرائط کے ساتھ تعلیم وتربیت کے لیے لازمی شرائط ہیں، لازمی چیز ہے، کتاب سے علم کے لینے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، یہ تو علماء نے لکھا ہے، میں تو نہیں کہتا جو بات علماء کی اللہ نے یاد دلائی وہ کہتا ہوں کتابی علم کا کوئی اعتبار نہیں ہے، علماء نے لکھا ہے صرف وہ علم معتبر ہے جو علماء کی صحبت سے لیا گیا ہے۔ (ص:۱۱، سطر:۳۰)

(۹) میں پھر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اللہ کے واسطے عوام کو کتابوں کے حوالہ مت کرو۔ (ص:۱۳، سطر:۲۷)

(۱۰) میں نے شروع میں عرض کردیا تھا کہ اگر صحبت علماء نہیں ہے تو وہ فتنے پیدا ہونگے جس کا کوئی حل نہیں ہوگا، کوئی علاج نہیں ہے۔ (ص:۱۳، سطر:۳۱)

(۱۱) آج کل لوگ فلم کے آلات پر علم کو چلا رہے ہیں۔ (ص: ۴، سطر: ۲۳)

مولانا کے اس نظریہ کی تایید دیگر اہل علم کے فتاوی اور عبارتوں سے بھی ہوتی ہے:

(۱) فتوی نمبر (۶۰۶۶۴۴): دار العلوم دیوبند کے اس فتوی میں علماء کی صحبت سے علم حاصل کرنے کے سلسلے میں مندرجہ ذیل عبارت ہے:

"آن لائن کی دینی تعلیم دیانۃً معتبر نہیں، شاگرد کا اپنے استاذ کے ساتھ رہنا اور استاذ کے سامنے بیٹھنا ضروری ہے"۔ اھ

(۱) مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"دین کے تعلیم و تعلم کا فطری اور عمومی طریق جس سے لاکھوں افراد بلا کسی ساز وسامان کے تھوڑے وقت میں علم دین نہیں بلکہ نفس دین حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ اختلاط و اجتماع، صحبت سعی و عمل میں رفاقت اور اپنے ماحول سے نکلنا ہے۔ جس طرح زبان و تہذیب اہل زبان اور مہذب و شائستہ لوگوں کی صحبت و اختلاط سے حاصل کی جاتی ہے۔ اور یہی ان کے سیکھنے کا فطری طریقہ ہے، اسی طرح دین کا صحیح علم اہل دین کی صحبت و اختلاط، رفاقت و اجتماع سے حاصل ہو سکتا ہے اور یہی اس کے حصول کا فطری طریق ہے کہ اس کے بہت سے اجزا ایسے ہیں جو قلم کی گرفت سے باہر ہیں، دین ایک جاندار اور متحرک شے ہے، کتابوں کے نقوش جامد ہیں۔ جامد سے متحرک کا حاصل ہونا قانون فطرت کے خلاف ہے"۔ (دینی دعوت، ص: ۲۹۲)

(۳) حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو بغیر کسی معلم کی صحبت کے براہ راست فقط کتاب سے علم حاصل کرنے کو حد درجہ کا غلو قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے فرمان: يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ کی تفسیر کے تحت مندرجہ ذیل تفصیل لکھی ہے:

"اگر صرف کتاب بغیر معلم کے کافی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت تھی کہ کتاب کے نسخے لکھے لکھائے لوگوں کو پہنچا دیتے، رسول کو معلم بنا کر بھیجنے کی ضرورت نہ تھی، اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ بات صرف کتاب اللہ کے ساتھ مخصوص نہیں کسی بھی علم وفن کی کتاب کا محض ترجمہ دیکھ کر کبھی کوئی شخص اس فن کا عالم نہیں بن سکتا، ڈاکٹری یا طب یونانی کی کتابوں کا ترجمہ دیکھ کر آج تک کوئی حکیم یا ڈاکٹر نہیں بنا، انجینئری کی کتابیں دیکھ کر کوئی انجینئر نہیں بنا، کپڑا سینے یا کھانا پکانے کی کتابیں دیکھ کر کوئی درزی یا باورچی نہیں بنا بلکہ ان سب چیزوں میں تعلیم و تعلم اور معلم کی ضرورت سب کے نزدیک مسلم ہے، مگر افسوس کہ قرآن وسنت ہی کو ایسا سرسری سمجھ لیا گیا ہے کہ اس کے لئے کسی معلم کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، چنانچہ ایک بہت بڑی تعلیم یافتہ لوگوں کی جماعت تو اس طرف غلو میں بہہ گئ کہ صرف قرآن کے مطالعہ کو کافی سمجھ بیٹھے"۔ (معارف القرآن: ۲/۲۹۷)

(۴) اسی طرح شیخ عوّامہ حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب معالم ارشادیہ میں اس سلسلے میں بہت تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے، فرماتے ہیں: جو شخص علماء راسخین کے واسطے کے بغیر علم حاصل کرے اس سے کسی خیر کی امید نہیں ہے۔

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ہمارے ائمہ اور مشائخ ہمارے آباء واجداد کے درجے میں ہیں۔

اور علامہ شاطبی سے نقل کیا ہے کہ اس بات پر تقریباً سبھی علماء کا اتفاق ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے مفتی سلمان منصور پوری زید مجدہ کا مذکورہ کتاب کا اردو ترجمہ "فکر انگیز اور کارآمد باتیں"، چھٹی فصل، ص: ۹۰ تا ۱۱۴)۔

نیز علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: تعلیم کا طریقہ زیادہ تر فیض صحبت،

زبانی تعلیم و احکام و مسائل کا ذکر اور مذاکرہ، اور ایک دوسرے سے پوچھنا اور سیکھنا اور بتانا تھا۔ ان کی راتیں عبادتوں سے معمور رہتی تھیں، اور شب و روز کاروبار دین میں مصروف۔

(مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت، ص: ۲۴)

ان لوگوں کے بارے میں جو مولانا سعد صاحب کے نظریات ہیں جو بغیر صحبتِ علماء کے آلاتِ جدیدہ وغیرہ کے ذریعے سے کچھ معلومات حاصل کر کے اپنے کو پڑھا لکھا سمجھتے ہیں، ان تمام نظریات کو مدارس اور اہل مدارس کی طرف موڑ کر جو آپس میں دوریاں پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہیں یہ بہت ہی نامناسب حرکت ہے۔

مولانا سعد صاحب مدارس کی کیسے مخالفت کر سکتے ہیں جبکہ خود اسی بیان میں جس کو مدارس و علماء کے خلاف گردانہ گیا، درج ذیل باتیں موجود ہیں:

① علماء سے بڑھ کر کوئی دنیا میں کسی کو محسن سمجھتا ہے تو وہ غلط فہمی میں پڑا ہوا ہے۔ (ص: ۱، سطر: ۵)

② ہم کہتے ہیں کہ علماء کا ٹوکنا لوگوں کے لئے سب سے بڑی خیر ہے۔ (ص: ۸، سطر: ۶)

③ ہم کہتے ہیں کہ ٹوکنے والے علماء کو اپنے اوپر محسن سمجھنا چاہیے۔ (ص: ۸، سطر: ۶)

④ ہم عرض کرتے ہیں یہ دینی مدارس اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اسلام کے قلعے ہیں۔ (ص: ۱۱، سطر: ۳۰)

⑤ میں تو صاف صاف عرض کرتا ہوں علماء کی کوئی جماعت کسی ملک میں جائے اور وہاں جا کر اس بات کا خیال نہ آئے کاش میں وہاں پڑ جاتا، اور بڑی ضرورت پیش آتی تو میں کیا میرا خاندان بھی یہاں آ جاتا، اور اپنے گھرانے کو لے کر ہجرت کر لیتا اور یہاں مدرسہ قائم کرتا، اگر یہ خیال پیدا نہ ہوتا یا کم سے کم دوسرے درجے میں وہاں کے علماء کو متوجہ کر کے وہاں مدارس کے قائم کرنے اور وہاں مساجد و مکاتب قائم کرنے کی کوشش کر کے آتا مگر میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر ہماری سال کی جماعتیں ملکوں میں عوام الناس کی طرح اگر یہ چار مہینے پانچ مہینے یا سال لگا

کرآ جائیں تو میرے نزدیک کوئی فائدہ نہیں ہے جب تک وہاں ان کے قیام کے دوران وہاں مدارس قائم کرنے کا نظام اور وہاں مساجد میں مکاتب کے قائم ہونے کا نظام نہ ہو جائے تو میں کہتا ہوں کہ علماء کا سال یورپ کا سال، عرب کا سال یا ہندستان کے سال کا کوئی فائدہ نہیں ہے، میں تو صاف طور سے کہتا ہوں جہاں آپ کی جماعتیں کام کر کے سال لگا کر لوٹتی ہیں میں پوچھتا ہوں کتنے مدارس قائم کر کے آئے ہو کتنے مکاتب قائم کیے؟ (ص: ۱۴، سطر: ۲۱)

(۶) صرف علماء کی جماعت کیوں نکالتے ہیں وہ اس لئے نکالتے ہیں تاکہ اجتماعی طور پر جا کر کسی ملک کے علماء کو اس بات کی طرف متوجہ کریں آپکے ملک میں مدارس ہونے چاہیے، ابھی ہماری جماعت ملیشیا میں جو سو ممالک جمع ہوئے تھے میں نے الگ الگ تین چار دن لگے صرف ملکوں کے احوال لینے میں، میں نے ہر ملک والوں سے پوچھا تمہارے ملک میں مدرسے کتنے ہیں ہر ملک والے سے، بڑے بڑے ممالک، میں کہتا ہوں کہ ایسے ممالک کے شاید کئی کئی ہندوستان سما جائیں ان ملکوں میں، لیکن کوئی مدرسہ نہیں ہے، بڑے افسوس کی بات ہے، یہاں اس ملک کے فارغین فارغ ہو کر اس ملک میں مدرسہ بنا لیتے۔ (ص: ۱۴، سطر: ۸)

(۷) تو ہم نے کہا ان سے کہ ان شاء اللہ ہم اس کی پوری کوشش کریں گے کہ اپنے ملک کے علماء آپ کے یہاں بھیجیں گے۔ (ص: ۱۴، سطر: ۲۱)

(۸) ضروری بات یہ ہے کہ علماء ملکوں میں جائیں اور پورے ملک کے اعتبار سے جہل کو ختم کرنے کی کوشش کریں ورنہ طلب دنیا کے لیے تعلیمی میدان میں قدم اٹھانا بڑے عیب کی بات ہے بڑے دکھ کی بات ہے ان ملکوں میں جو لوگ کمانے کی غرض سے گئے ہیں ان کی بے شمار اولادیں ہیں ان کی پھیلی ہوئی آبادیاں ہیں سب کے سب یا اکثریت احناف کی ہیں لیکن کسی ملک میں حنفی مذہب کی تعلیم کا کوئی نظم نہیں ہے۔ میں نے دیکھا ملیشیا کے اجتماع میں، پوری دنیا کے سامنے

بات رکھی۔ (ص:۱۴، سطر:۳۱)

⑨ میں عرض کر رہا تھا کہ علماء کے سال لگانے کا اصل مقصد یہ تھا کہ دین کی نقل وحرکت سے جگہ جگہ مدارس قائم ہوں۔ (ص:۱۵، سطر:۵)

حضرت مولانا سعد صاحب دامت برکاتہم کے بیانات کا چونکہ یہ اہم موضوع ہے کہ وہ علماء ومدارس ومکاتب کا احترام وتعاون اوران سے جڑنے کی کثرت کے ساتھ اپنے بیانات میں ترغیب دیتے ہیں، اس لئے اس سلسلے میں دارالعلوم دیوبند کے ایک فاضل مفتی حسام الدین صاحب قاسمی حیدرآبادی نے جوملفوظات مرتب کیے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بھی چند ملفوظات پیش کیے جائیں جومندرجہ ذیل ہیں:

① فرمایا: دینی مدارس کواسلام کا قلعہ یقین کرو۔ (ص:۵۴)

② فرمایا: اپنے بچوں کوقرآن پڑھائیں دینی مدرسوں میں داخلہ کرائیں۔ (ص ۵۴)

③ فرمایا: ہر جگہ کی عوام کو علماء سے جوڑنا اور ہر جگہ کی عوام کو مدارس اور مکاتب سے جوڑنا ہماری محنت اور کوششوں کا بنیادی مقصد ہے۔ (ص:۵۴)

④ فرمایا: اپنے بچوں کوعلم الٰہی پڑھاؤ آج تو ساری محنت اور کوشش بچوں کو انگریزی پڑھانے پر ہے۔ (ص:۴۷)

⑤ فرمایا: بعض مرتبہ تو اپنی محنت سے شیطان ایک ایسی بڑائی پیدا کرتا ہے کہ کام کرنے والے کہہ گزرتے ہیں کہ ہمیں علماء کی ضرورت نہیں یہ شیطان کا وسوسہ ہے۔ (ص:۴۹)

⑥ فرمایا: یہ بڑی چوک ہے، کہ وقت لگائے ہوئے علماء کو وقت نہ لگانے والے سے افضل سمجھتے ہیں۔ (ص:۴۹)

⑦ فرمایا: مولانا الیاس کے خطوط میں باقاعدہ مکتب کی ضرورت اس کے قیام اور اس کی تنخواہ کا انتظام کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ (ص:۵۵)

⑧ فرمایا: مسجد مسجد مکتب کی شکل قائم کی جائے۔ (ص:۵۵)

(۹) فرمایا: روزانہ کی ملاقاتوں میں گھر گھر یہ بات چلائیں کہ آپ لوگ اپنے بچوں کو قرآن سیکھنے کے لئے مسجد میں بھیجیں۔ (ص:۵۵)

مندرجہ بالا مسئلہ کی مناسبت سے حضرت مولانا منظور نعمانی کے ایک مکتوب سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس کو شیخ المشائخ مولانا زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ نے اپنے رسالہ جماعت تبلیغ پر اعتراض کے جوابات میں ص ۱۷۲ پر نقل کیا ہے۔

''آپ کے خط کے سب سے اہم اور آخری جز کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ تبلیغی جماعت والے دینی مدارس کی مخالفت کرتے ہیں اور جو لوگ تبلیغی جماعت میں کام کرنے لگتے ہیں ان کا تعلق مدرسوں سے کم ہو جاتا ہے۔ یہ بات بڑی سنگین ہے ایسی باتوں کو زبان پر یا قلم پر لانے سے پہلے جتنی تحقیق کر لینی ضروری ہے میرا خیال ہے کہ اس کے بغیر آپ نے یہ بات لکھ دی ہے۔ اگر آپ تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والے کسی خاص شخص یا چند متعین افراد کے متعلق ایسی بات کہیں تو زیادہ مستبعد نہیں میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ اس کام سے تعلق رکھنے والوں میں ان تمام مزاجوں اور خیالوں کے لوگ ہو سکتے ہیں جو مسلمانوں کے موجودہ معاشرے میں پائے جاتے ہیں لیکن تبلیغی کام کرنے والوں کے متعلق عموم کے ساتھ یہ بات کہنا کہ وہ دینی مدارس کی مخالفت کرتے ہیں بڑی زیادتی کی بات ہے۔ آپ نے اتنا سوچا ہوتا کہ اس کام سے تعلق رکھنے والوں میں کتنے ہیں جو خود مدرسے چلا رہے ہیں یا مدرسوں میں تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں، خود حضرت مولانا محمد یوسف صاحب جو اس کام کے روح رواں ہیں اور سب سے بڑے ذمہ دار ہیں ایک مدرسہ (کاشف العلوم) وہ بھی چلا رہے

ہیں، جس میں خود بھی پابندی سے درس دیتے ہیں اور یہی حال ان
کے خاص الخاص رفقاء کار مولانا انعام الحسن صاحب اور مولانا
عبیداللہ صاحب وغیرہ کا ہے۔ مجھے بھی آپ اس کام سے خاص تعلق
رکھنے والوں میں سمجھتے ہیں اور مدارس کی دنیا سے میرا تعلق آپ کو
معلوم ہے۔ یعنی یہ کہ میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ اور عاملہ کا
رکن ہوں، دارالعلوم ندوۃ العلماء سے بھی میرا تعلق ہے بلکہ اب تو
کچھ عرصہ سے میں نے تدریس کی کچھ ذمہ داری بھی لے لی ہے۔
اور بھی ایسے بیسیوں حضرات کو آپ جانتے ہوں گے جو اس کام سے
بھی تعلق رکھتے ہیں اور کسی مدرسہ کی ذمہ داری بھی ان پر ہے۔ ایسی
صورت میں یہ کہنا کہ تبلیغی کام کرنے والے دینی مدارس کی مخالفت
کرتے ہیں کس قدر غلط اور کتنی بے تکی بات ہے''۔

دعوت وتبلیغ کے اس کام کا مدارس سے کیا رشتہ ہے اور اس سے مدارس کو کتنا فروغ ہوا ہے اس کو اگرچہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں، پھر بھی ہم بعض اکابر کی بعض تحریرات اور عبارتیں پیش کرتے ہیں:

(۱) اس سلسلے میں مفتی محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''جگہ جگہ جماعت نے مدارس دینیہ قائم کئے اور کر رہی ہے، خود
مرکز نظام الدین دہلی میں عربی مدرسہ ہے، جہاں چھوٹی بڑی سب
کتابیں پڑھائی جاتی ہیں میں نے خود تبلیغ کے لئے جن اکابر علماء
ومشائخ کو نکلتے اور ترغیب دیتے ہوئے دیکھا ہے چند کے نام یہ
ہیں:
حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (صدر جمعیۃ العلماء ہند
وصدر مدرسہ امینیہ دہلی) میں خود میوات کے علاقہ میں ان کے ساتھ

تھا، اور ان کو بہت نزدیک سے دیکھا ہے کہ ان کو تبلیغی کام سے کس قدر گہرا تعلق تھا، مفتی اشفاق الرحمان صاحب مفتی مدرسہ فتح پوری، مفتی جمیل احمد صاحب (مفتی تھانہ بھون) مولانا اسعد اللہ صاحب (مجاز حضرت تھانوی) حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ (شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور، مجاز حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ) حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب، حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (مجازین حضرت رائے پوری) وغیرہم۔ جب ایک کام اس قدر عالمگیر ہو اور مسلمانوں کے گروہ دین سیکھنے کے لئے نکلیں تو ان سے بے اصولی اور غلطی ہونا بھی مستبعد نہیں، خاص کر ایسے حالات میں کہ ہر جماعت کو امیر عالم بھی میسر نہ آئے، نہ ان کی غلطی کو سراہا جائے گا نہ ان کی غلطی کی وجہ سے تبلیغ سے بددل ہو کر کام کو چھوڑا جائے گا، نہ تبلیغ کے فوائد وضرورت سے صرف نظر کیا جائے گا بلکہ خود غلطی سے بچتے ہوئے دوسروں کو غلطی سے بچانے کی کوشش کی جائے گی۔

اور اس کی بڑی ذمہ داری ان علماء حضرات پر ہے جو غلطیوں کو دیکھ کر دلوں میں اعتراضات کا پہاڑ قائم کرلیں اور اس کام سے دور ہی دور رہیں، ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس کام کو اپنا کام تصور کرتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ شرکت کریں اور کم علم کم سمجھ بھائیوں سے جو غلطی ہو، اس کو شفقت ومحبت کے ساتھ ان پر ترس کھاتے ہوئے ''اَلدِّینُ النَّصِیحَۃُ'' کے پیش نظر بلطائف الحیل اصلاح فرمائیں۔ وقت ملاقات اگر آپ زبانی تذکرہ فرماتے تو کچھ مزید عرض کرتا۔ والسلام

نوٹ: کوئی بات ناگوار خاطر گزرے تو معاف فرمائیں اس تحریر میں جو غلطی دیکھیں، اصلاح فرمائیں اور مطلع فرمائیں شکر گذار ہوں گا۔ احقر محمود عفی عنہ مدرس جامع العلوم کانپور۔ (کیا تبلیغی کام ضروری ہے، ص: ۳۴۴ تا ۳۴۵)

(۲) مکاتب کے سلسلہ میں حضرت جی مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"سو مکتبوں کے اخراجات میں دینے کو تیار ہوں، مکاتب قائم کرو، ان سے (بڑے) مدارس کو پانی ملے گا، مگر اس طرح کہ ایک عملہ انتظامیہ (یعنی انتظامی کمیٹی) قائم ہو جو مواقع ضرورت کی تلاش (کہ کہاں اور کس گاؤں میں مکتب قائم کرنے کی ضرورت ہے)، مدرسین کا انتخاب اور مکاتب و مدرسین کی نگرانی کے نظام کو اپنے ذمہ لے کر مجھے مطمئن کر دے، اس تحریک کے فروغ سے موجودہ معتمد حقانی مدارس جیسے ہزاروں مرکزی مدارس قائم ہوں گے اور ہر ہر مرکز کے ساتھ لاکھوں مکاتب وابستہ ہوں گے۔ اھ (ارشادات ومکتوبات حضرت مولانا محمد الیاس صاحب ص: ۱۰)

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مکاتب و مدراس کے سلسلے میں کوشش وفکر کو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان کیا ہے:

"آپ صرف اسی صورت میں وہاں (میوات) جانا چاہتے تھے کہ آپ کے جانے سے وہاں کوئی ایسی پائیدار شکل پیدا ہو جائے جس سے ملک کی اس حالت میں تبدیلی پیدا ہو اور اسلام سے قریب ہو جائیں اور اس کی شکل اُس وقت آپ کے ذہن میں صرف یہی تھی کہ میوات میں دینی مکاتب اور مدارس قائم ہوں اور میوات کی کم سے کم نئی نسل دین سے واقف ہو۔ آپ نے خود بیان کیا کہ جب پہلی مرتبہ چند مخلصوں نے بڑے جوش و اخلاص کے ساتھ مجھ

سے میوات چلنے کی خواہش کی تو میں نے کہا کہ میں صرف اس شرط پر چل سکتا ہوں کہ تم وعدہ کرو کہ اپنے یہاں مکتب قائم کرو گے''۔

(مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دینی دعوت ص: ۸۴)

(۳) حضرت مولانا سعد صاحب دامت برکاتہم کا یہ ملفوظ بھی چھپا ہوا ہے کہ ''مدارس تبلیغ کی آمدنی (کمائی) ہیں'' (ملفوظات، ص: ۵۴)

(۶) ایک ضروری وضاحت

مستفتی نے مولانا سعد صاحب کی ایک بات کو نشان زد کر کے سابق و لاحق سے کاٹنے کی کوشش کی ہے اور اس سے بظاہر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ بات مولانا سعد صاحب اپنے بارے میں کہہ رہے ہیں اور وہ بات (ص: ۱۲ سطر: ۲۸) پر ہے کہ

''بعض مرتبہ اللہ رب العزت کسی شخص کو اپنے کام کے لئے منتخب کرتے ہیں اور ان کی مرادیں اتنی بلند ہوتی ہیں کہ وہاں تک عام لوگوں کی رسائی نہیں ہوتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے ہم عصر ان کے زمانے کے لوگ وہ ان کی طرف سے ہمیشہ اذیت اور مصیبت میں رہتے ہیں ہاں کچھ کہہ رہا ہوں ان کے ہم عصر جو ہوتے ہیں وہ اپنی سطح کے اعتبار سے ایک معمول کے پابند ہو جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کسی ایک کو منتخب کر کے اس پر وہ بات کھول دیتے ہیں تو جب وہ کوشش کر کے اپنی بات کو سمجھا پاتا ہے تو پھر جس کی سمجھ میں آجاتی ہے وہ اس کے معاون بن جاتے ہیں یہ بات میری بہت اہم ہے''۔

حالانکہ یہ بات مولانا سعد صاحب اپنے بارے میں نہیں بلکہ مولانا الیاس صاحب کے بارے میں فرما رہے ہیں اسی سے چار سطر پہلے یہ عبارت ملاحظہ ہو: ''مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوچ بہت آگے تھی وہ فرماتے تھے میرے کام کے مقاصد بہت اعلیٰ ہیں

وہاں تک غور کرنے والوں کا ذہن پہنچتا نہیں ہے مولانا الیاس صاحب سے اختلاف کی وجہ یہی تھی میں آپ سے بہت بنیادی بات عرض کر رہا ہوں‘‘۔اھ

اور اس سے متصلا بعد کی یہ عبارت ملاحظہ ہو جس کو کاتب نے الگ سطر سے لکھا ہے:

’’میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس راستہ کے خروج کے مقاصد بہت اعلیٰ ہیں آپ گشت کو اور اس خروج کو معمولی مت سمجھیے جو لوگ اس کو ہلکے میں لیتے ہیں اسکے مقاصد عالیہ تک ان کی نظر نہیں پہنچتی‘‘۔

مولانا سعد صاحب نے مولانا الیاس صاحب کے بارے میں جو یہ بات فرمائی اس بات کی تائید مولانا سعید احمد خان صاحب کے درج ذیل مکتوب سے بھی ہوتی ہے:

’’بڑے حضرت جی کی باتیں حکیمانہ ہوتی تھیں کبھی اجمال کبھی تفصیل۔ جب اجمالی بات فرماتے تھے تو سننے والے سمجھنے سے قاصر ہو جاتے تھے پھر وہی اپنی بات دریافت کرنے پر تفصیل سے سمجھاتے تھے اور جن باتوں کی تفصیل نہیں کی انہیں میں کام کرنے والے اختلافات کرنے لگے اور جو کام سے بیٹھ گئے ان کے لئے وہی باتیں فتنہ بنیں جو اجمالی تھیں۔ جن حضرات نے بڑے حضرت جی کی صحبت زیادہ اٹھائی اور عملی اعتبار سے بھی وہ ممتاز تھے اور حضرت کے مزاج سے بھی واقف تھے انہیں پر یہ دعوت کھلی بندہ کو بھی زیادہ صحبت کا موقع نہیں ملا اس لئے بندہ بھی اس میں بہت ناقص ہے اللہ تعالیٰ ہی سمجھا دے؛ لیکن بندے کو ان کا کلام سننے میں کبھی شک اور تردد نہیں آیا اور کوئی اشکال پیش نہیں آیا جب کہ بڑے بڑے علماء کو اشکالات ہوتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ بات سمجھ میں نہیں آئی بندہ کو ان کی باتوں کو لکھنے کی عادت نہ تھی کیونکہ

لکھنے کی استعداد نہیں تھی اس لئے بہت سی باتیں یاد نہیں رہیں، قریشی صاحب کو حضرت کی باتیں زیادہ یاد تھیں؛ لیکن اتنی بات ضرور ہے حضرت کا کلام جس نے ایک دو بار سنا، وہ ہرگز نہیں سمجھا کیونکہ یہ بار بار دیکھا گیا کہ ایک مجلس میں ایک بات بلا قیود بیان کرتے تھے اور دوسری مجلس میں قیود لگا کر بیان کرتے تھے جس سے بہت سے دماغ الجھن میں پڑ جاتے ہیں جس نے اس دعوت کو سمجھ لیا وہ تو اس میں ڈوب گیا اور اسی میں پورے طور پر لگ گیا اور اسی کا بن کر رہ گیا اور جس نے نہیں سمجھا تو اس پر دوسرے دین کے شعبہ غالب ہوئے اور اس کام کو ثانوی درجہ میں سمجھا اور وہ اسی بحث میں پڑا رہا ہے کہ کون سا زیادہ ضروری ہے حالانکہ دین کے سارے کام ضروری ہیں اور اشد ضروری ہیں اور ہر شخص کے لئے ضروری ہیں لیکن اس ضرورت کے نقشہ کو کیسے قائم کیا جائے کہ ہر مسلمان میں دین کی ہر چیز اپنی عظمت اور ضرورت کے اعتبار سے آ جائے ورنہ دین کی کتنی بڑی سے بڑی بات ہو اگر وہ مسلمان میں نہیں تو اس کی بڑائی کیا نتیجہ لائے گی اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا اس دعوت میں قربانی جان و مال کے ساتھ دل و دماغ کی بھی ضروری ہے۔ بہت سے لوگ کچھ جان و مال تو لگا دیتے ہیں، لیکن ان کا دل دماغ پورے طور سے اس میں کام نہیں کرتا کہ وہ اس دعوت کی اہمیت اور عظمت و ضرورت کو اور اس کے نتیجہ کو قرآن اور حدیث کے نصوص میں سمجھیں اور حضور پاک کی سیرت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت سے سمجھنے کی کوشش کریں تا کہ کام کرنے کے اصول بھی سمجھ میں آئیں اس کام کے جتنے اصول ہیں

سب حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت میں ملیں گے مگر اس کو ملیں گے جو دل و دماغ کو کھپادے گا اور یہ چیزیں اس زمانہ میں بہت مشکل ہو رہی ہیں، خلفائے راشدین کے چاروں دور جب تک ہماری غور وفکر میں نہ رہیں گے ہم اشکالات کا شکار بنتے رہیں گے، لہٰذا وہ چاروں دور پورے طور پر ہمارے ذوق علم میں ہونے چاہئیں محض علم میں ہونے سے کام نہیں چلتا بلکہ اس طرح سے ہو گویا کہ اس کو دیکھ رہا ہو اور حالات کے تغیر کو محسوس کر رہا ہو کہ وہ خیر القرون ہیں اس کے بغیر دین عمومیت کے ساتھ عقیدت ومحبت سے امت مسلمہ میں نہیں آ سکتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وقوت عطا فرمائے اور آپ کو اس کام کے لئے قبول فرمائے۔ فقط والسلام، بندہ سعید احمد ۱۳؍ جولائی ۱۹۸۶ء'' (مکاتیب: ۴؍ ۳۲۴-۳۲۵)

⑦ ایک اہم بات

مولانا سعد صاحب نے جو فرمایا کہ طلبہ روزانہ ازواج مطہرات کے گھروں میں گوشت لٹکاتے تھے اسی طرح جو اسد الغابہ میں سعد بن عبادہ کے ترجمہ میں ابن اثیر جزری نے تحریر فرمایا:

''وكان يحمل الي النبي صلى الله عليه وسلم كل يوم جفنة مملؤة ثريدا ولحما تدور معه حيث دار'' اور حافظ ابن حجر نے اصابہ میں جو تحریر فرمایا کہ ''وكانت جفنة سعد تدور مع النبي صلى الله عليه وسلم في بيوت ازواجه''

یعنی حضرت سعد بن عبادہ روزانہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس گوشت اور ثرید سے بھرا ہوا بڑا پیالہ لے کر آتے تھے جہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی باری ہوتی تھی۔ اس میں سوال یہ پیدا

ہوتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں دو دو مہینے کے فاقہ ہوتے تھے اور بعض مواقع میں نو تو کیا کسی ایک گھر میں بھی پانی کے سوا کچھ نہیں ہوتا تھا یہاں تک کہ انتقال کے وقت بھی آپ کی زرہ چند صاع جَو کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی تو پھر یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ آپ کی ازواج مطہرات کے گھروں پر گوشت لٹکایا جاتا تھا۔

تو دوسرا سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب جانثار انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے وہاں باغات موجود تھے اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسے مالدار موجود تھے اور جب خود صحابہ رضی اللہ عنہم آنے والے مہمانوں کی میزبانی کے لیے حسب استعداد اپنے گھروں پر لے جاتے تھے تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں ہمیشہ دو مہینے کا فاقہ رہتا ہو۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بالکل خیال نہ رکھتے ہوں اور یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے پیٹ پر ہمیشہ پتھر بندھے رہتے ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک یہی حال رہا ہو اور اگر یہی بات ہے تو قرآن کی آیت وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ کا کیا مطلب ہوگا؟ ظاہر ہے کہ ان سب چیزوں کو اختلاف احوال پر محمول کیا جائے گا۔ اور یہ بات بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فقر اضطراری نہیں اختیاری تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں تنگی کے حالات خاص طور پر آخری زمانے میں اگر آئے تو کمی کی وجہ سے نہیں بلکہ ایثار و سخاوت کی وجہ سے آئے ہیں، اسی وجہ سے حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں: وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ ہجرت کے ابتدائی دور میں چند روزہ تکلیف و مشقت کا اعتبار نہیں اس عبوری دور کے بعد جو نعمتیں حق تعالیٰ کی ان حضرات کو عطا ہوئیں اور انکی کئی نسلوں میں جاری رہیں اسی کا اعتبار ہوگا صحابہ کرام کے فقر و فاقہ کے جو واقعات تاریخ میں مشہور ہیں وہ عموماً ہجرت کے ابتدائی دور کے ہیں یا وہ فقر اختیاری کے ہیں کہ انھوں نے دنیا و مال و دولت کو پسند ہی نہیں کیا اور جو حاصل ہوا اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا حال یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فقر و فاقہ محض

اختیاری تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غنی و مال داری کو اختیار نہیں فرمایا اور اس کے باوجود ہجرت کے چھٹے سال میں فتح خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب اہل وعیال کے گزارے کا کافی انتظام ہو گیا تھا۔ (معارف القرآن ج ۲)

⑧ لمحۂ فکریہ

اس ضبط شدہ بیان اور اس سے منسلک استفتاء میں کئی تشویشناک چیزیں انتہائی قابل غور ہیں:

① یہ دعوی کیا گیا کہ ''ہم نے بہت محنت سے لفظ بلفظ پورا بیان نقل کیا ہے'' لیکن جب اس تحریر کا بیان کی آڈیو سے مقابلہ کیا گیا تو 130 جگہ فرق سامنے آیا ہے جو اس بات کو سمجھنے کے لیے کافی ہے کے دعوے کے برخلاف اس نازک کام میں کتنی جلد بازی کتنی بے احتیاطی اور کتنی غفلت سے کام لیا گیا ہے۔

② اتنا ہی نہیں کہ غفلت سے کام لیا گیا بلکہ ایسے فرق بھی سامنے آئے کہ اس میں یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑ سکتا ہے کہ یہ دیدہ ودانستہ کیا گیا۔

مثلاً صفحہ- 3 کے آخر میں آیت کی تفسیر علماء سے نقل کی گئی تھی لیکن اس انتساب کو حذف کر دیا گیا۔

اسی طرح صفحہ 5 میں ''مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے'' اور ''مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ نقل کر رہا ہوں'' دونوں جگہ سے حذف کر دیا گیا۔

صفحہ: 8 میں مولانا کی عبارت ''ٹوکنے والے علماء کو اپنے اوپر محسن سمجھنا چاہئے یعنی کہ احسان ہے کہ صحیح غلط میں ہماری رہبری کرتے ہیں'' میں شروع سے لفظ ''ٹوکنے والے'' اور آخر سے ''صحیح غلط میں ہماری رہبری کرتے ہیں'' کو حذف کر دیا گیا۔

صفحہ 9 میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقولہ سے ''ایک زمانہ آئے گا کہ ان میں آپس میں دوریاں پیدا ہوں گی'' کو حذف کر دیا گیا تا کہ دوریاں پیدا کرنا آسان ہو۔

صفحہ: 10 کے آخر میں ''تا کہ معلوم ہو کہ نفر کا مقصد محض قتال نہیں ہے'' میں سے

لفظ ’’محض‘‘ کو حذف کر دیا گیا۔ اور اس پر استفتاء میں یہ نتیجہ نکالا کہ ’’انہوں نے جہاد کو سرے سے خارج کر دیا‘‘۔

صفحہ 12 میں ’’عوام کو جہنم سے بچانے کے بقدر تعلیم دینا‘‘ میں لفظ ’’جہل کی‘‘ کا اضافہ کر دیا گیا۔

صفحہ: ۱۳ کے آخر میں ’’ہماری کمزوری‘‘ کو ’’دماغی کمزوری‘‘ سے بدل دیا گیا۔

صفحہ: 3 میں مفتی محمود صاحب کے واقعے میں ’’بچپن میں بہت زیادہ شفقت فرماتے تھے مجھ پر‘‘ کو حذف کر دیا گیا اور ’’حضرت جی مولانا انعام صاحب‘‘ کے بجائے ’’حضرت جی مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ‘‘ کر دیا گیا۔

صفحہ: 8 پر ’’میں جماعت والوں سے کہتا ہوں تم بیان لکھ کر رکھتے ہو اس سے کیا فائدہ ہے‘‘ کے بجائے ’’جماعت والوں کو کہتے ہیں کہ بیان سے کیا فائدہ ہے‘‘ کر دیا گیا وغیرہ۔

۳. مختلف عبارتوں پر خط کشید کر اس کو سیاق و سباق سے کاٹنے کی اور اس میں شدت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس سے قارئین کا ذہن متأثر ہونا لازمی ہے۔

۴. استفتاء میں ایسی باتیں تحریر کیں جن کا پورے بیان میں کوئی وجود نہیں مثلاً ’’رسوخ فی العلم کے لیے نکلنا شرط ہے پھر یہ چیلنج کیا کہ عوام میں نکلے بغیر ان میں رسوخ حاصل نہیں ہوگا‘‘ اس اشتراط کا پورے بیان میں کہیں وجود نہیں ہے۔

اسی طرح سے نفر کو محض قتال پر محمول کرنے والوں کے بارے میں یہ جملہ کہ ’’یہ لوگ احمق ہیں‘‘ اور پھر اس پر یہ تبصرہ کہ ’’سب کو احمق اور بے وقوف بتاتے ہیں‘‘ اس کا بھی پورے بیان میں کوئی وجود نہیں ہے۔

۵. اکابرین علماء کے کثیر مشاغل کو دیکھتے ہوئے یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ ان کے پاس خط کشیدہ الفاظ اور استفتاء پر سرسری نگاہ ڈالنے سے زیادہ وقت نہیں ہوگا پھر بھی اس خطرے کے پیش نظر کہ مولانا سعد صاحب کے مدارس و علماء کے بارے میں تعظیمی

کلمات سے متأثر نہ ہوجائیں یہ کہہ کر ہلکا کرنے کی کوشش کی گئی کہ ''مولانا سعد پیچ پیچ میں مدارس کو دین کا قلعہ بتا کر اور علماء کو مصلح گردان کر آنکھوں میں دھول جھونکنے کی بھی کوشش کرتے ہیں''۔

یہ انتہائی افسوس ناک بات ہے۔

نوٹ: اکابر کی مذکورہ بالا تحریرات، ملفوظات اور فتاوی کی روشنی میں یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ حضرت مولانا سعد صاحب کسی قسم کی طبیعت کی آزادی یا دینی امور میں بے جا دخل اندازی میں مبتلا نہیں ہیں، جمہور امت سے منحرف خود ساختہ نظریات کے حامل نہیں ہیں، بلکہ قرآن وحدیث کے سمجھنے میں اہل فن سے مراجعت کے پابند ہی نہیں بلکہ اس کے ایک مضبوط داعی ہیں۔

مذکورہ تحریرات وغیرہ کچھ سابقہ یادداشت کی بنیاد پر ایک سرسری مطالعہ کے دوران سامنے آئی ہیں جن کو ہم نے بس نمونے کے طور پر پیش کیا ہے جو ہماری امید کے مطابق استفتاء میں مذکور الزامات کے ازالے کے لیے کافی ہیں، اگر کچھ دقیق النظر احباب مزید تلاش کریں تو یہ امید کی جاسکتی ہے کہ مولانا سعد صاحب کی شخصیت مجتہد مطلق کے بجائے اکابر کے سب سے بڑے متبع اور مقلد محض کی شکل میں سامنے آئے گی۔

⑨ ملحوظہ

مستفتی کی بعض قابل گرفت چیزوں میں چشم پوشی سے کام لیا گیا ہے؛ لیکن ایک جگہ تنبیہ ضروری معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حدیث میں علم کو بارش کے پانی سے تشبیہ دی گئی ہے جو مختلف قسم کی زمینوں پر برستی ہے تو ظاہر ہے کہ حاملین علم یعنی علماء کی مثال بادل کی ہوگی لیکن حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ اس وعدے کے باوجود کے پورا بیان بغیر کسی تبصرے کے پیش کررہے ہیں ص: ۱۳ سطر: ۲۵ پر یہ تبصرہ کرڈالا کہ (حالانکہ مولانا سعد کو غور کرنا چاہئے حدیث میں علم کی مثال بادل سے دی گئی ہے نہ کہ علماء کی)۔

⑩ ایک ضروری بات

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مولانا سعد صاحب بھی ایک انسان ہیں اور ان سے غلطیاں ہوسکتی ہیں بلکہ ہوئی ہیں خاص طور پر تعبیرات کے اعتبار سے جو کہ قابل نظر انداز ہونی چاہئیں جبکہ سابقہ تجربات کی روشنی میں یہ بات بھی سب کے سامنے ہے کہ غلطی کے واضح ہوجانے کے بعد مولانا کو اپنی بات سے رجوع کرنے میں ادنی تأمل بھی نہیں ہوتا ہے۔

⑪ التجاء

ساری دنیا کو معلوم ہے کہ اس وقت امت کن حالات سے گزر رہی ہے اور اس کا آپسی اتفاق واتحاد کتنا ضروری ہے اور اس کے لئے علماء امت کا اور امت کے مختلف طبقات کا ایک دوسرے کے قریب آنا کتنا ضروری ہے، ایسے میں بڑی لجاجت کے ساتھ مؤدبانہ درخواست ہے کہ آپس میں دوریاں پیدا کرنے کے بجائے ہم سب کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوشش کرنا چاہیے اور حضرت شیخ مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' کا مطالعہ موجودہ حالات میں بہت مفید معلوم ہوتا ہے۔

بندے نے اس وقت کی اہم ضرورت سمجھتے ہوئے بعض دوستوں کے اصرار پر، بعض دوستوں کے تعاون سے یہ تحریر مرتب کی ہے اللہ تعالی خیر کا ذریعہ بنائے غلطیوں ولغزشوں کو معاف فرمائے اور اکابر کی شان میں کسی بھی قسم کی گستاخی سے ہماری حفاظت فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ أَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ وَتُبْ عَلَيْنَا يَا مَوْلَانَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ.

ہماری گزشتہ کتاب ’’حضرت مولانا محمد سعد صاحب دامت برکاتہم کے افکار اقوالِ سلف کی روشنی میں‘‘ اوراس کتاب کو اکابر کی جن کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے، مثلاً: ’’جماعت تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات‘‘ مصفنہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ’’مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اوران کی دینی دعوت‘‘ مصنفہ مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور ’’ملفوظات مولانا الیاس صاحب‘‘ مصنفہ مولانا منظور نعمانی، ’’ارشادات ومکتوبات مولانا الیاس صاحب‘‘ مصنفہ مولانا افتخار فریدی رحمۃ اللہ علیہ، ’’کیا تبلیغی کام ضروری ہے؟‘‘ مصنفہ مولانا الیاس بن بندہ الٰہی، ’’مجموعہ بیانات مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ‘‘ مکاتیب مولانا سعید احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ’’خطبات حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر علم ودعوت سے متعلق وغیرہ وغیرہ، نیز حیاۃ الصحابہ کو کثرت کے ساتھ اپنے مطالعہ میں رکھنے کی ضرورت ہے، تاکہ ہم اس کام کی بنیادوں کو اچھی طریقہ سے سمجھ سکیں اوراس کام کی پوری بصیرت پر رہیں، اور مختلف قسم کے اشکالات کی وجہ سے ہم کسی قسم کے ذہنی انتشار کا شکار نہ ہوجائیں۔